دوسرا ایڈیشن

شرح عقود رسم المفتی کی تلخیص و تسہیل پر مشتمل اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

نسیم المفتی

فی حل مباحث

شرح عقود رسم المفتی

جس میں

منظومہ عقود رسم المفتی کا ترجمہ، افتاء کے اصول و مناہج، کتب معتبرہ و غیر معتبرہ کی علامات اور اختلافی اقوال میں ترجیح کے اصول وقواعد پر مستند و معتبر کتب کے حوالہ سے سیر حاصل اور مدلل بحث کی گئی ہے

مرتّب

مولانا و مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ و افتا معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

شعبۂ نشر و اشاعت

مکتبۂ دار ارقم نیپال

فیض پور عرف گھیورا، ضلع روتہٹ، نیپال Mob: 8986305186

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا ایڈیشن

شرح عقود رسم المفتی کی تلخیص و تسہیل پر مشتمل اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

نسیم المفتی

فی حل مباحث

شرح عقود رسم المفتی

جس میں

منظومہ عقود رسم المفتی کا ترجمہ، افتاء کے اصول ومناہج، کتب معتبرہ و غیر معتبرہ کی علامات اور اختلافی اقوال میں ترجیح کے اصول وقواعد پر مستند و معتبر کتب کے حوالہ سے سیر حاصل اور مدلل بحث کی گئی ہے

مرتب

مولانا و مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ و افتاء معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

تفصیلات

نام کتاب ـــــــ نسیم المفتی فی حل مباحث شرح عقود رسم المفتی

مرتب ـــــــ مولانا و مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ وافتاء ـــــــ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر۔۱، پھلواری شریف پٹنہ

رابطہ نمبر ـــــــ انڈین نمبر: 8986305186، نیپالی نمبر: 9809191037

صفحات ـــــــ ۱۳۶

پہلا ایڈیشن ـــــــ ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ، جولائی ۲۰۱۸ء

دوسرا ایڈیشن ـــــــ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ، مئی ۲۰۲۲ء

ناشر ـــــــ مکتبہ دارارقم، فیض پور عرف گھورا، روتہٹ نیپال

فہرست مضامین

کتابوں کی بنیاد پر ترجیح کے ۶/اصول

دلیل کی بنیاد پر ترجیح کے ۵/اصول

فقہاء کے سات طبقات ابن کمال پاشا کے نزدیک

انتساب

- اپنے والدین محترمین اور دادی مرحومہ کے نام؛

جن کی دعائے سحر گاہی سے ہر مشکل چیز آسان ہوگئی

- فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کے نام؛

جنہوں نے بحث وتحقیق کا منہج سکھلایا

- فقیہ النفس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کے نام؛

جنہوں نے وقیع کلمات کے ذریعہ بندہ کے حوصلہ کوتقویت دی

- فقیہ النفس مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی کے نام؛

جن کی صحبت عالیہ کی برکت سے تدریس وتالیف کا ذوق پیدا ہوا

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ، بانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

افتاء نہایت نازک اور اہم ذمہ داری ہے؛ اس لیے کہ مفتی اللہ تعالی کی طرف سے حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی رہنمائی کرتا ہے اور احکام شرعیہ کی رہنمائی میں اس کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کے نمائندہ کی ہوتی ہے، اسی لیے ہمیشہ علماء کرام نے اس فریضہ کو ادا کرنے میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی المقدور اس خدمت سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی ہے، اہل علم نے اسی لیے افتاء کے اصول مرتب کیے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، اس سلسلہ کی ایک اہم ترین کتاب علامہ شامی کی ''رسم المفتی'' ہے جس میں پہلے انہوں نے اصولِ افتاء کو نظم کیا ہے اور خود ہی اس کی شرح فرمائی ہے، یہی کتاب برصغیر میں ''شعبۂ تکمیل افتاء'' میں نصابی کتاب کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔

اکثر اسلامی علوم پر اردو زبان میں بھی وقیع کام کیا گیا ہے لیکن اصولِ افتاء پر عوامی استفادہ کی چیز نہیں ہے اور تمام علماء کے لیے بھی نہیں ہے، صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو افتاء کی تربیت حاصل کریں یا افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہوں، اسی ضرورت کی طرف توجہ کرتے ہوئے عزیز گرامی مولانا رضوان نسیم قاسمی سلمہ اللہ تعالی نے مختصر مفید رسالہ مرتب کیا ہے، راقم الحروف نے پٹنہ کے سفر میں اس رسالہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور مفید پایا۔

عزیزی سلمہ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور انہوں نے ''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' میں تربیت افتاء کا کورس کیا ہے اور اس وقت محبی فی اللہ حضرت مولانا مفتی محمد جنید

عالم صاحب ندوی قاسمی زیدت حسناتہ کی زیرنگرانی ''معہد الدراسات العلیا'' میں شعبۂ فقہ کے استاذ ہیں، اللہ نے ان کو صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور صالحیت سے بھی نوازا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس پہلی کاوش کو قبول فرمائیں اور مزید دینی، علمی، قلمی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں، وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد

تقریظ

متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

نائب مہتمم واستاذ تفسیر وحدیث الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم دیو بند

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم!

''شرح عقود رسم المفتی'' اصول افتاء کی ایک اہم ترین اور مایۂ ناز کتاب ہے، عرصہ دراز سے دار العلوم دیو بند اور دیگر بڑے مدارس میں شعبۂ افتاء کے نصاب میں اس کی بنیادی اہمیت ہے۔

کتابِ مذکور میں ایک مفتی معتمد کے لیے جتنی چیزیں ضروری ہیں ان کو بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مثلاً فتوی دینے کے سلسلے میں کون سی کتابیں معتبر اور کون غیر معتبر ہیں، بعض کتابوں کی بعض دوسری کتابوں پر ترجیح کے وجوہ واسباب، نیز منصب افتاء کی کیا ذمہ داری ہے اور اس کے کیا آداب وشرائط ہیں اور اس طرح کے بہت سے قیمتی مباحث سے یہ کتاب مزین ہے۔

لیکن اس کتاب کے تمام مباحث تک رسائی ایک دشوار گذار مرحلہ ہے؛ کیوں کہ اس فن کو حاصل کرنے والے طلبہ کرام کے لیے یہ پہلی کتاب ہے، اس لیے کتاب کے شائقین کے لیے یہ بات باعث مسرت ہے کہ جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی (استاذ معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ) نے کتاب کے تمام مباحث کو آسان، منقح اور مدلل انداز میں سمیٹ دیا ہے جو ایک بہترین، جامع اور مفید خدمت ہے، اللہ تعالی موصوف کی اس گراں قدر محنت کو مقبول اور اہل علم کے لیے بے حد نافع بنائے، آمین۔

احقر محمد راشد اعظمی

دار العلوم دیو بند، ۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ

تقریظ

فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری

نائب امیر الہند واستاذ فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، یوپی

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم، أما بعد:

''شرح عقود رسم المفتی'' اصول افتاء پر نہایت مقبول کتاب ہے جو تکمیل افتاء کے نصاب میں شامل ہے، لیکن حضرت علامہ شامی کا انداز تالیف ایسا ہے کہ بسا اوقات بحث کو سمجھنا ایک عام طالب علم کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، اسی لیے حضرات اساتذۂ کرام اس کتاب کے مباحث کو ملخص کر کے طلبہ کے سامنے بیان کرتے آئے ہیں اور بعض کتابیں بھی اسی انداز میں اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔

اب مزید مسرت کی بات ہے کہ فاضل گرامی جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی زید علمہ استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ نے ایک منفرد انداز میں کتاب کی تلخیص فرمائی ہے، تمام مباحث کو بہت آسان طریقہ پر سمیٹ دیا ہے اور ساتھ میں مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف بھی شامل کر دیا ہے[1] جس سے بالخصوص طلبۂ افتاء کو کتاب سے استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہوگی، ان شاء اللہ تعالی۔

احقر مؤلف موصوف کو مبارک باد دیتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور آئندہ اس طرح کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصوری پوری

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد، ۱۴۳۹/۶/۲۶ھ

(۱) جدید ایڈیشن میں اس باب کو حذف کر کے ''آسان اصول افتاء'' میں شامل کر دیا گیا ہے، مرتب۔

تقریظ

فقیہ النفس مولانا مفتی **محمد جنید عالم** صاحب ندوی قاسمی

بانی وصدر مفتی: معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

بانی وناظم: دار العلوم الاسلامیہ مجھولیا مغربی چمپارن بہار

فقہ وفتاوی اور فتوی نویسی میں اشتغال قدرت کی جانب سے ایک انمول تحفہ ہے جو اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے بہت کم لوگوں کو عطا فرماتے ہیں، جس شخص کو فقاہت کی دولت مل جائے اس کی عظمت کا کیا کہنا؟ امام محمد فرماتے ہیں:

تَفَقَّهْ فَاِنَّ الْفِقْهَ اَفْضَلُ قائِدٍ　　اِلَى البِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاَعْدَلُ قاصِدٍ

وَكُنْ مُسْتَفِيدا كُلَّ يومٍ زيادةً　　مِنَ الفقهِ واسبَح في بُحور الفوائدِ

فَاِنَّ فقيها واحدا مُتَوَرِّعا　　اشدُّ على الشيطان مِن الفِ عابدٍ

اس منصب کی اہمیت کے پیش نظر اہل علم نے افتاء کے اصول وآداب پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، اس سلسلہ کی سب سے مفید کتاب علامہ شامی کی شرح عقود رسم المفتی ہے جو شعبۂ افتا میں داخل نصاب ہے، چوں کہ کتاب کے بعض مباحث بے جا طویل اور بعض بحثیں انتہائی مختصر ہیں اس لیے اساتذۂ کرام ان مباحث کو ملخص اور منضبط کر کے طلبہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی عزیز گرامی مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ کی ''نسیم المفتی'' ہے جسے ہندستان کے سرخیل علماء کرام نے پسند کیا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ موصوف کی یہ کتاب شرح عقود رسم المفتی کی طرح قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور طلبۂ افتاء واساتذہ کے لیے رسم المفتی کے مباحث کو حل کرنے میں بہترین معاون ثابت ہوگی، اللہ تعالی موصوف کی مساعی حسنہ کو قبول فرمائے، مزید ترقیات سے نوازے اور اس کتاب کو مفید عام وخاص بنائے، آمین۔

محمد جنید عالم ندوی قاسمی

تقریظ

فقیہ النفس استاذ محترم مولانا مفتی شاہد علی صاحب قاسمی

معتمد تعلیم واستاذ فقہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ألحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و على آله و صحبه أجمعين. أما بعد!

فتوی نویسی کے اصول وآداب سے متعلق باضابطہ کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں، البتہ بعض فقہاء نے اپنے فتاوی کی کتابوں کے آغاز میں کچھ آداب بیان کیے ہیں، جیسے ''فتاوی قاضی خان'' میں قاضی خان نے کیا ہے، اس موضوع پر علامہ شامی کی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کافی مشہور ہے اور ''تخصص فی الفقہ والافتاء'' کے شعبہ میں عام طور پر یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں بعض بحثیں مختصر اور بعض پہلو طویل ہیں، ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس کی اہم بحثوں کو مزید منضبط کیا جائے اور جہاں مزید کلام کی ضرورت ہے اس پر تفصیل پیش کی جائے۔

الحمد للہ مولانا رضوان نسیم قاسمی زیدت حسناتہ استاذ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ نے شرح عقود رسم المفتی کو سامنے رکھ کر اس موضوع کی بعض اہم کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے بہتر تلخیص تیار کی ہے، خصوصاً طبقات فقہاء پر سیر حاصل گفتگو کی ہے [1] اسی طرح ترجیح کے اصول کو مختلف نوعیتوں سے منقح کر کے منضبط کیا ہے، اس لیے یہ کتاب شعبۂ افتاء کے طلبہ کے لیے خصوصاً اور اساتذہ کے لیے عمومی طور پر کافی مفید ہے۔

دعا ہے کہ مؤلف کتاب کی اس قلمی علمی کاوش کو اللہ تعالی بے حد قبول فرمائیں اور دنیا و آخرت کی فلاح وکامیابی کا ذریعہ بنائیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

شاہد علی قاسمی	۸/شعبان ۱۴۳۹ھ
استاذ فقہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد	۲۵/اپریل ۲۰۱۸ء

(۱) جدید ایڈیشن میں اس بحث کو حذف کر کے ''آسان اصول افتاء'' میں شامل کردیا گیا ہے، مرتب۔

تقریظ

مفسر قرآن استاذ محترم مولانا مفتی محمد اعظم صاحب قاسمی

استاذ تفسیر وفقہ مدرسہ اسلامیہ خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر یوپی

فتوی نویسی ایک بہت نازک اور اہم ذمہ داری ہے، اس لیے کہ ایک مفتی کی حیثیت اللہ تعالی کے نمائندہ کی ہوتی ہے جو مسلمانوں کو ان کی زندگی کے تمام مراحل میں احکامِ خداوندی سے آگاہ کرتے ہیں، اسی نزاکت کی وجہ سے ہمارے اسلاف اس ذمہ داری سے حتی الامکان اپنا دامن بچایا کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے سے علم وعمل میں برتر سمجھتے تھے ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے کہا کرتے تھے، لیکن افسوس کہ آج معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے، ہر آدمی مسجد سے لیکر سوشل میڈیا تک فتوی دیتا ہوا نظر آتا ہے، حالاں کہ فتوی نویسی کے شرائط وآداب اور افتاء کے اصول وضوابط سے وہ بالکل ناواقف ہوتا ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو زبان میں بھی اس موضوع پر کام کیا جائے اور لوگوں کو اس ذمہ داری کی اہمیت ونزاکت اور افتاء کے اصول وضوابط سے آگاہ کیا جائے، مجھے بہت خوشی ہے کہ مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی (استاذ فقہ معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ) نے اصول افتاء پر ایک آسان، مفید، مدلل اور جامع کتاب لکھی ہے، اللہ تعالی ان کو مزید علمی ترقیات سے نوازیں، آمین۔

العبد محمد اعظم قاسمی

خادم دار الافتاء: خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر یوپی

ابتدائیہ

ألحمد لله حمدا موافيا لنعمه مكافيا لمزيده والصلوة و السلام علي سيدنا محمد و آله وصحبه و جنوده. أما بعد!

منصب افتاء ایک عظیم اور مہتم بالشان منصب ہے، اس کی فضیلت واہمیت ہر شخص پر روز روشن کی طرح عیاں ہے، اس کی عظمت اور قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے بذات خود اس کی ذمہ داری لی ہے اور فتوی دینے کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: قُلِ اللّٰهُ يُفتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ. (النساء:۱۷٦) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے: قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ. (النساء:۱۲۷) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے بارے میں فتوی دیتے ہیں، اللہ تعالی کے بعد اس عظیم منصب پر اس امت میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے اور حوادث ونوازل میں صحابۂ کرام کی رہنمائی فرماتے رہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ شرف صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین عظام، فقہاء اربعہ اور امت کے پاکیزہ نفوس کو حاصل ہوا جس سے اس منصب کی عظمت وفضیلت سمجھ میں آتی ہے۔

فتوی نویسی کا منصب جتنا مقدس اور اہم ہے اتنا ہی حساس اور نازک بھی ہے، اس لیے کہ مفتی کی حیثیت اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ترجمان کی ہوتی ہے اور وہ فتوی دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے، لہذا فتوی دینے میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے اور اس گراں بار ذمہ داری کے سلسلہ میں جرأت اور اقدام سے پرہیز کرنیکی ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے عربی واردو زبان میں متعدد کتابیں ایسی لکھی ہیں جس میں اس گراں بار ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی ہے، اس کی فضیلت واہمیت بیان کرنے کے ساتھ افتاء اور فتوی نویسی کے اصول وضوابط، مفتی کے شرائط واوصاف، مفتی بہ قول پہچاننے کی علامات، متعارض اقوال میں ترجیح کے اصول وقواعد، معتبر اور غیر معتبر کتابوں کی علامات

اوران جیسی دیگر اہم بحثوں کو منضبط کیا ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے جامع اور مفید کتاب علامہ ابن عابدین شامی کی " **شرح عقود رسم المفتی** " ہے جس میں علامہ شامی نے افتاء اور فتویٰ نویسی کے اصول و ضوابط، مفتی بہ قول پہچاننے کی علامات، متعارض اقوال میں ترجیح کے اصول وقواعد، معتبر اور غیر معتبر کتابوں کی علامات اوران جیسی دیگر اہم بحثوں پر تفصیلی کلام کیا ہے، لیکن علامہ شامی کا اندازِ تالیف دیگر مصنفین سے قدرے مختلف ہے، وہ عموماً اپنی طرف سے کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے ہیں، بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے دوسرے فقہاء اوران کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات رسم المفتی کے مباحث اور اسالیب کو سمجھنا ایک عام طالب علم کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر بندہ نے شرح عقود رسم المفتی کے مباحث اور اصولوں کی آسان اردو زبان میں تلخیص وتسہیل کی ہے، نیز جو مباحث مذکورہ کتاب میں تشنہ تھیں ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اللہ رب العزت کی ذات سے قوی امید ہے کہ یہ کتاب مفید عام و خاص ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خوشی ومسرت کے اس موقع پر سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے لطف وکرم سے اس مختصر سی کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اس کے بعد اپنے والدین کا شکر ادا کرنا اپنے لیے فرض سمجھتا ہوں جن کی دعائیں ہر موڑ پر اس عاجز کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئیں، نیز فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، متکلم اسلام مفتی محمد راشد صاحب اعظمی، فقیہ النفس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، فقیہ النفس مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی، مفسر قرآن مفتی محمد اعظم صاحب قاسمی، محدث جلیل مفتی محمد مصطفیٰ صاحب قاسمی، استاذ محترم مفتی شاہد علی صاحب قاسمی، مفتی محمد اشرف صاحب قاسمی اور مفتی محمد اعظم صاحب ندوی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے وقیع کلمات کے ذریعہ بندہ

کی خوب حوصلہ افزائی کی، اللہ تعالی ان سبھی حضرات کو خوش وخرم اور اپنی عافیت میں رکھے۔

واضح ہو کہ آج سے تقریبا ساڑھے تین سال قبل اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا، الحمد للہ! طلبہ واساتذہ نے کتاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اسے خوب سراہا، اکابر اہل علم نے تقاریظ اور تائیدی کلمات کے ذریعہ حوصلہ کو تقویت بخشی اور داد وتحسین سے نوازا، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے تین سال کی مدت میں کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا اور اہل علم اور مکتبہ والوں کا برابر اصرار رہا کہ جلد از جلد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے، لیکن اسی دوران بندہ نے اصولِ افتاء پر تفصیلی کام شروع کردیا تھا اس لئے ان کے اصرار کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا، فضلِ الٰہی سے ''آسان اصول افتاء'' کی تکمیل کے بعد ماہ شعبان میں فرصت ملی تو نسیم المفتی پر نظر ثانی کا کام شروع کردیا، نظر ثانی کے وقت کتاب کے مباحث اور ترتیب میں جو باتیں قابل اصلاح معلوم ہوئیں ان کی اصلاح کی گئی اور بعض اہم مباحث (جیسے طبقاتِ فقہاء پر اعتراضات اور ان کے جواب، فقہی رموز واصطلاحات اور مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف) جو سابقہ ایڈیشن میں موجود تھے، لیکن اب ان مباحث کو کسی ناگزیر سبب کی بناء پر اس ایڈیشن سے حذف کرکے ''آسان اصولِ افتاء'' میں شامل کردیا گیا ہے۔

اخیر میں قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیں اور کتاب کے متعلق اگر کوئی مشورہ دینا ہو تو درج ذیل نمبر پر رابطہ فرمائیں۔

دعاؤں کا طالب

مولانا ومفتی رضوان نسیم قاسمی

(فیض پور، عرف گھیورا، روتہٹ، نیپال)

استاذ فقہ وافتاء: معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ

انڈین نمبر (8986305186) نیپالی نمبر (+977.9809191037)

نسیم المفتی

فی حل مباحث

شرح عقود رسم المفتی

پہلا باب

منظومہ عقود رسم المفتی کا ترجمہ

مرتب

مولانا ومفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ و افتا معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

منظومہ عقود رسم المفتی کا تعارف

اصول افتاء پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے اہم اور مایۂ ناز کتاب علامہ شامی کی **منظومہ عقود رسم المفتی** ہے، یہ منظومہ ۷۴/اشعار پر مشتمل ہے، شروع کے آٹھ اشعار میں حمد وصلاۃ اور تمہیدی باتیں ہیں اور اخیر کا ایک شعر اختتامیہ ہے، ان ۹/اشعار کے علاوہ بقیہ ۶۵/اشعار ایسے ہیں جن میں علامہ شامی نے نہایت عمدہ انداز میں قواعد افتاء اور ترجیح کے اصول وضوابط کو بیان کیا ہے، انہوں نے اس منظومہ میں ان تمام اصول وقواعد کو یکجا جمع کر دیا ہے جو متقدمین کی کتابوں میں مختلف جگہوں میں مذکور ہیں، پھر خود ہی انہوں نے اس منظومہ کی بے نظیر اور مایۂ ناز شرح لکھی ہے جو اپنی جامعیت اور نافعیت کی وجہ سے طلبہ اور مفتیان عظام کے مابین بے حد مقبول ہے، نیز تمام مدارس میں شعبۂ تربیت افتاء کے نصاب میں یہ شرح داخل نصاب ہے۔

منظومہ عقود رسم المفتی کی شروح

علامہ شامی کا یہ منظومہ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود نہایت ہی جامع اور مفید ہے، اسی لئے خود علامہ شامی نے ''شرح عقود رسم المفتی'' کے نام سے اپنے منظومہ کی مایۂ ناز شرح لکھی ہے، اس کے علاوہ دیگر اہل علم نے بھی اس منظومہ کی شرحیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں اس منظومہ کی دو شرح مجھے دستیاب ہوئی ہیں جن میں ایک شرح شیخ محمد یاسر عرنوس کی اور دوسری شرح شیخ محمد بن احمد بن محمود آل رحاب کی ہے، اور بعض نے اس منظومہ کو اردو نظم کی شکل دی ہے، جن میں مفتی مجد القدوس خبیب رومی کی ''نظم المفتی'' اور مفتی جنید اشفاق فقرا ٹکی کا منظومہ بہترین منظومہ ہے۔

منظومہ عقود رسم المفتی کا نثری اور منظوم ترجمہ

طلبہ کی سہولت اور حفظ کے لئے مضمون کا خیال رکھتے ہوئے درج ذیل صفحات میں اولا عقود رسم المفتی کے اشعار با اعراب تحریر کئے جائیں گے، ثانیا ان اشعار کا نثر میں سلیس ترجمہ کیا جائے گا اور اخیر میں مفتی مجد القدوس خبیب رومی (مفتی عربی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) کی "نظم المفتی" سے ان اشعار سے متعلقہ منظوم اردو اشعار تحریر کئے جائیں گے۔

بِاسْمِ الإِلٰهِ شَارِعِ الأَحْكَامِ	۱	مَعَ حَمْدِهِ أَبْدَأُ فِيْ نِظَامِيْ
ثُمَّ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَرْمَدَا	۲	عَلٰى نَبِيٍّ قَدْ أَتَانَا بِالْهُدٰى
وَآلِهِ وَصَحْبِهِ الْكِرَامِ	۳	عَلٰى مَمَرِّ الدَّهْرِ وَ الْأَعْوَامِ

ترجمہ: اس خدا کے نام سے جو احکام شرعیہ کو مقرر کرنے والے ہیں، اس کی تعریف کے ساتھ میں اپنی نظم کو شروع کرتا ہوں، پھر دائمی درود و سلام نازل ہو اس نبی پر جو ہدایت لے کر ہمارے پاس تشریف لائے، اور ان کی آل اور ان کے معزز ساتھیوں پر، زمانے اور سالوں کے گزرنے تک (ان پر اللہ تعالی کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں)۔

نام خدا سے کیجئے آغاز کار اپنا
جو کارساز اپنا پروردگار اپنا

حمد و ثناء اسی کی شارع وہی ہے دیں کا
محکوم ہم ہیں اس کے حاکم وہی ہمارا

صدہا درود ان پر لاکھوں سلام ان پر
جو بندۂ خدا ہیں پیغمبروں کے سرور

ازواج و آل ان کی داخل ہوں رحمتوں میں
اصحاب ان کے سب ہی شامل ہوں رحمتوں میں

جب تک جہاں میں روشن شمس وقمر ہیں مولی!
ہوتا رہے ہمیشہ ان پر سلام تیرا

●●●

وَبَعْدُ فَالْعَبْدُ الْفقِيرُ الْمُذْنِبُ	۴	مُحَمَّدُ بْنُ عَابِدِيْنَ يَطْلُبُ
تَوفِيقَ رَبِّهِ الْكرِيْمِ الْوَاحِدِ	۵	وَالفوزَ بِالقَبُولِ فِي المَقَاصِدِ
وَفِيْ نِظَامِ جَوْهَرٍ نَضِيْد	٦	وَ عِقْدِ دُرٍّ بَاهِرٍ فَرِيْد
سَمَّيْتُه عُقُوْدَ رَسْمِ الْمُفْتِيْ	۷	يَحْتَاجُهُ الْعَامِلُ أوْ مَنْ يُفْتِيْ
وَهَا أنَا أَشْرَعُ فِيْ الْمَقْصُوْدِ	۸	مُسْتَمْنِحاً مِنْ فَيْضِ بَحْرِ الْجُوْدِ

ترجمہ: حمد وصلوۃ کے بعد! تو اللہ تعالی کا محتاج اورگنہ گار بندہ محمد بن عابدین اپنے کریم اور یکتا رب سے توفیق اور اپنے مقصد میں قبولیت کے ذریعہ کامیابی کی درخواست کرتا ہے، اور مرتب جواہر کو پرونے اور منفرد وچمکدار موتیوں کا ہار بنانے میں کامیابی کی درخواست کرتا ہے، میں نے اِس منظومہ کا نام "عقود رسم المفتی" رکھا ہے، جس کی ضرورت احکام شرعیہ پر عمل کرنے والے اور فتوی دینے والے کو پڑے گی، اور اب میں اللہ تعالی کی بخشش کے دریا کے فیض سے انعام کی امید لئے ہوئے اپنے مقصد کو شروع کرتا ہوں۔

خطبہ کے بعد بندہ جو ہے فقیر و مُذنب
توفیق حق کا رب سے ہے مُلتَجی و طالب

رب کریم اس کو تو کامیاب کردے
مقصود ہاتھ آئے یوں راہ یاب کردے

منظومہ ہے یہ میرا ایک ہار موتیوں کا
روشن ہر ایک موتی لولو ہر ایک لالا

اور نام رکھ دیا ہے اس کا عقود مفتی
وابستہ ہی رہے گا جس سے وجود مفتی

آغاز ہورہا ہے مقصود و مدعا کا
بحرکرم سے اپنے دے فیض میرے داتا

عربی رہی یہ اب تک شامی کی رسم مفتی
اردو کی مثنوی ہو رومی کی نظم مفتی

مبدی کا نام لیکر آغاز مدعا ہو
اس کے کرم سے مانگو حسن ادا عطا ہو

●●●

اِعْلَمْ بِأَنَّ الواجِبَ اتِّبَاعُ مَا	۹	تَرْجِيْحُهُ عَنْ أَهْلِهِ قَدْ عُلِمَا
أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ	۱۰	يُرَجِّحُوْا خِلافَ ذَاکَ فَاعْلَمْ

ترجمہ: جان لو! کہ اس قول کی پیروی کرناواجب ہے جس کا راجح ہونا اصحاب الترجیح سے معلوم ہو چکا ہو، یا وہ مسئلہ ظاہر الروایہ میں مذکور ہو اور اصحاب الترجیح نے اس کے خلاف دوسرے قول کو راجح نہ قرار دیا ہو، پس اس سے آگاہ ہو جاؤ۔

یہ بات دل نشیں ہوں سب جان لیں ضروری
جو حکم دیں ہو راجح ہو پیروی اسی کی

ترجیح بھی انھیں کی جو اس کے اہل ٹھہریں
ہیں کون اہل اس کے یہ بھی یہیں سمجھ لیں

ان میں سے ایک طبقہ ترجیح دے سکے گا
جو فیصلہ ہو اس کا وہ ماننا پڑے گا

وَكُتُبُ ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ أَتَتْ	۱۱	سِتًّا وَبِالأُصُولِ أيضاً سُمِّيَتْ
صَنَّفَهَا مُحَمَّدُ الشَّيْبَانِيُّ	۱۲	حَرَّرَ فِيهَا الْمَذْهَبَ النُّعْمَانِيُّ
اَلْجَامِعُ الصَّغِيرُ وَ الْكَبِيرُ	۱۳	وَ السِّيَرُ الْكَبِيرُ وَالصَّغِيرُ
ثُمَّ الزِّيَادَاتُ مَعَ الْمَبْسُوطِ	۱۴	تَوَاتَرَتْ بِالسَّنَدِ الْمَضْبُوطِ
كَذَا لَهُ مَسَائِلُ النَّوَادِرُ	۱۵	إِسْنَادُهَا فِي الْكُتُبِ غَيْرُ ظَاهِرُ
وَ بَعْدَهَا مَسَائِلُ النَّوَازِلُ	۱۶	خَرَّجَهَا الأَشْيَاخُ بِالدَّلَائِلُ

ترجمہ: اور ظاہر الروایہ کی کتابیں چھ ہیں جن کا نام الاصول بھی رکھا گیا ہے، امام محمد الشیبانی نے ان کتابوں کو لکھا ہے جن میں امام اعظم کے مذہب کو بیان کیا ہے، (وہ کتابیں) جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر اور سیر صغیر ہیں، پھر مبسوط اور زیادات ہیں، یہ مضبوط سند سے مروی ہیں، اسی طرح امام محمد کی کتابوں میں نوادر کے مسائل بھی ہیں جن کی سندیں مشہور نہیں ہیں اور نوادر کے بعد نوازل کے مسائل ہیں جن کو مشائخ نے دلائل کے ساتھ مستنبط کیا ہے۔

فتوے میں ہیں مقدم کل چھ کتابیں سنئے
یا چاہے آپ ان کو اصل الاصول کہئے

معروف نام ہے ان کا ظاہر الروایہ
استاذ نے ہمیں تو عنوان یہی بتایا

ترجیح میں مقدم ہے ظاہرالروایہ
اجماعی قاعدہ ہے یہ ماننا پڑے گا

اور ظاہرروایت مفتی بہ ہے تب بھی
جب قول دوسرا بھی ترجیح سے ہو خالی

اور ظاہر روایت پر مشتمل کتابیں
تعداد ان کی چھ ہے بس ان کو آپ مانیں

ابن حسن محمد تلمیذ بو حنیفہ
ہے یادگار روشن ان کا یہ کارنامہ
تصنیف کرگئے وہ یہ مذہبی ذخیرہ
روشن ہوا ہے جس سے کیسے تھے بوحنیفہ
یہ چھ کتابیں سب ہی ان کی لکھی ہوئی ہیں
مشہور ہیں یہ سب ہی اب نام ان کے سن لیں
جامع صغیر ان کی سیر صغیر ان کی
جامع کبیر ان کی سیر کبیر ان کی
جامع کبیر میں جب کچھ ہوگیا اضافہ
وہ کردیا زیادہ زیادات نام رکھا
اور اصل سے مسمی مبسوط ہوگئی ہے
ہے استناد ایسا مضبوط ہوگئی ہے
ان سب کے بعد لکھے کچھ اور بھی نوادر
جن کی سند کتب سے ہوتی نہیں ہے ظاہر
پھر اور کچھ مسائل کہلائے جو نوازل
ان کے بیاں کئے ہیں علام نے دلائل

●●●

وَاشْتَهَرَ الْمَبْسُوطُ بِالأَصْلِ، وَذَا	١٧	لِسَبْقِهِ السِّتَّةِ تَصْنِيفًا كَذَا
اَلْجَامِعُ الصَّغِيرُ بَعْدَهُ فَمَا	١٨	فِيهِ عَلَى الْأَصْلِ لِذَا تَقَدَّمَا
وَآخِرُ السِّتَّةِ تَصْنِيفًا وَرَدْ	١٩	اَلسِّيَرُ الْكَبِيرُ فَهُوَ الْمُعْتَمَدْ

ترجمہ: اورمبسوط اصل کے نام سے مشہور ہے، چوں کہ تصنیف کے اعتبار سے وہ چھ

کتابوں میں مقدم ہے،اس کے بعد جامع صغیر ہے،لہذا جو مسائل اس میں ہیں وہ الاصل پر مقدم ہونگے ،اورآخری تصنیف السیر الکبیر ہے پس یہ معتمد کتاب ہے۔

اور مشتہر ہوئی ہے مبسوط اصل کہ کر
تصنیف تھی یہ پہلی باقی رہیں مؤخر
جامع صغیر کا ہے پھر اس کے بعد نمبر
ترجیح میں مقدم تصنیف میں مؤخر
سیر کبیر ان کی تصنیف آخری ہے
ہے اعتماد اس پر تضعیف سے بری ہے

●●●

وَيَجْمَعُ السِّتَّ كِتَابُ الْكَافِيْ	۲۰	لِلْحَاكِمِ الشَّهِيْدِ، فَهُوَ الْكَافِيْ
أَقْوٰى شُرُوْحِهِ الَّذِيْ كَالشَّمْسِ	۲۱	مَبْسُوْطُ شَمْسِ الْأُمَّةِ السَّرَخْسِيْ
مُعْتَمَدُ النُّقُوْلِ، لَيْسَ يُعْمَل	۲۲	بِخُلْفِهِ، وَلَيْسَ عَنْهُ يُعْدَلُ

ترجمہ:اوران چھ کتابوں کوحاکم شہید کی کتاب ''الکافی''جمع کرتی ہے،پس یہ کتاب کافی ہے،کافی کی سب سے قوی شرح جوسورج کی طرح ہے وہ شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ہے،مسائل نقل کرنے میں یہ کتاب قابل اعتماد ہے،اس کے خلاف قول پرعمل نہیں کیا جائے گااورنہ ہی اس سے عدول کیا جائے گا۔

ان چھ کتب کی جامع حاکم کی ایک کافی
بہر عمل ہے کافی بہر جبل ہے شافی
ہے شرح شمس امت علامہ سرخسی کی
سورج کی روشنی کو جو کرگئی ہے پھیکی

نقل اس کی معتمد ہے اور واجب العمل ہے
جس سے عدول کرنا ممنوع و بے محل ہے

●●●

وَاعْلَمْ بِأَنَّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةْ	۲۳	جَاءَتْ رِوَايَاتٌ غَدَتْ مُنِيْفَةْ
اِخْتَارَ مِنْهَا بَعْضَهَا وَالْبَاقِيْ	۲۴	يَخْتَارُ مِنْهُ سَائِرُ الرِّفَاقِ
فَلَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ جَوَابُ	۲۵	كَمَا عَلَيْهِ أَقْسَمَ الْأَصْحَابُ

ترجمہ: اور جان لو! کہ امام ابوحنیفہ سے ایسی روایتیں منقول ہیں جو واضح ہیں، ان میں سے بعض کو آپ نے اختیار کرلیا اور بقیہ کو آپ کے دیگر اصحاب (تلامذہ) اختیار کرتے ہیں، پس (فقہ حنفی میں) آپ کے علاوہ کسی کا کوئی قول نہیں ہے، جیسا کہ آپ کے شاگردوں نے قسم کھا کر یہ بات کہی ہے۔

اب یہ بھی جان لیجئے بے شک ہے جو حقیقت
اقوال بوحنیفہ منقول ہیں بکثرت
پھر منتخب کچھ ان کے قول امام ٹھہرے
اور باقی ہیں منسوب دوسروں سے
ہر قول ہے انھیں کا شرکت نہیں کسی کی
ان کے تلامذہ نے اس پر قسم بھی کھالی

وَحَيْثُ لَمْ يُوْجَدْ لَهُ اخْتِيَارُ	۲۶	فَقَوْلُ يَعْقُوْبَ هُوَ الْمُخْتَارُ
ثُمَّ مُحَمَّدٍ، فَقَوْلُهُ الْحَسَنْ	۲۷	ثُمَّ زُفَرَ، وَابْنِ زِيَادِ الْحَسَنْ

ترجمہ: اور جب کسی مسئلہ میں امام صاحب کا کوئی قول موجود نہ ہو، تو امام یعقوب یعنی امام ابو یوسف کا قول مختار ہوگا، پھر امام محمد کا قول مختار ہوگا، پھر امام زفر اور حسن بن زیاد کا

قول مختار ہوگا۔

قول امام اعظم موجود جب نہ پائیں
یعقوب کہہ گئے جو مفتی بہ بنائیں
اور ان کے بعد نمبر ابن حسن کا رکھیں
آخر میں پھر زفر ہیں ابن زیاد بھی ہیں

● ● ●

وَقِيلَ بِالتَّخْيِيرِ فِيْ فَتْوَاهُ	۲۸	إِنْ خَالَفَ الإمَامَ صَاحِبَاهُ
وَقِيلَ مَنْ دَلِيلُهُ أَقْوَى رَجَحْ	۲۹	وَذَا لِمُفْتٍ ذِي اجْتِهَادِ الْأَصَحْ
فَالْآنَ لَا تَرْجِيحَ بِالدَّلِيلِ	۳۰	فَلَيْسَ إِلَّا الْقَوْلُ بِالتَّفْصِيلِ
مَا لَمْ يَكُنْ خِلَافُهُ الْمُصَحَّحَا	۳۱	فَنَأْخُذُ الَّذِيْ لَهُمْ قَدْ وَضَحَا
فَإِنَّنَا نَرَاهُمُوْ قَدْ رَجَّحُوْا	۳۲	مَقَالَ بَعْضِ صَحْبِهِ وَصَحَّحُوْا
مِنْ ذَاكَ مَا قَدْ رَجَّحُوْا لِزُفَرْ	۳۳	مَقَالَهُ فِيْ سَبْعَةٍ وَّعَشَرْ

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ مفتی کو فتوی دینے میں اختیار ہوگا جب امام اور صاحبین کا اختلاف ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کی دلیل قوی ہوگی وہی قول راجح ہوگا، اور یہ قول مجتہد مفتی کے لئے زیادہ صحیح ہے، پس اب دلیل کی بناء پر ترجیح کی بات نہیں رہی، بلکہ تفصیل والا قول ہی درست ہے، جب تک کہ امام صاحب کے علاوہ قول کی تصحیح نہ کی گئی ہو، تو ہم اس قول کو لے لیں گے جو اصحاب الترجیح کے لئے واضح ہوا ہے، کیوں کہ ہم انھیں دیکھتے ہیں کہ انھوں نے امام صاحب کے بعض شاگردوں کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اسی میں سے ہے جو انھوں نے سترہ مسائل میں امام زفر کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

ترتیب اس طرح سے منقول ہے کتب میں
قیل کے ساتھ لیکن دو قول اور بھی ہیں

تخییر ایک میں ہے مفتی کو وہ جو چاہے
جب ہوں امام تنہا فتوی کسی پہ دیدے
قول امام پر بھی فتوی وہ دے سکے گا
یا چاہے صاحبوں کے فتوی پہ دیدے فتوی
اور قول دوسرا ہے مفتی دلیل دیکھے
جو قول اقوی ٹھہرے وہ اختیار کرلے
لیکن ہر ایک مفتی یہ کرنہیں سکے گا
یہ فیصلہ ہے ایسا جو مجتہد کرے گا
مفتی ہیں اب تو ناقل جو مجتہد نہیں ہیں
دیکھیں نہ اب دلائل تفصیل گذری دیکھیں
قول امام جب تک تصحیح کردہ پائیں
لازم اسی کو کرلیں مفتی بہ بنائیں
ان کے خلاف جب بھی تصحیح ہو میسر
ہم بھی یہی کہیں گے فتوی ہے اس پہ بہتر
ترجیح حق ہے جن کا ان پر نگاہ رکھیں
شاگرد کو کہیں وہ ترجیح دے گئے ہیں
ہیں سترہ مسائل جن کے زفر ہیں قائل
اقوی ہیں بالدلائل یہ سارے ہی مسائل
ترجیح جن کا حق ہے ترجیح وہ ہی دیں گے
ہم سب تو ہیں مقلد بس پیروی کریں گے

شاگرد کو یہاں وہ ترجیح دے گئے ہیں
کرنا تھا ان کو جو کچھ کرکے چلے گئے ہیں
اس اہلیت سے خالی اب بیشتر ہیں مفتی
فتوی ہی نقل کردے اتنا ہی ان کو کافی

● ● ●

ثُــمَّ إِذَا لَــمْ تُــوْجَــدِ الــرِّوَايَــةُ	۳۴	عَــنْ عُــلَــمَــائِنَــا ذَوِى الــدِّرَايَــهْ
وَاخْتَــلَفَ الَّــذِيْــنَ قَــدْ تَــأَخَّــرُوْا	۳۵	يُــرَجَّــحُ الَّــذِىْ عَــلَيْــهِ الْأَكْثَرُ
مِثْلُ الطَّحَاوِىْ وَأَبِىْ حَفْصِ الْكَبِيْر	۳۶	وَأَبَوَىْ جَعْفَرٍ وَاللَّيْث الشَّهِيْرُ
وَحَيْــثُ لَــمْ تُــوْجَــدْ لِهٰــؤُلاءِ	۳۷	مَــقَــالَةٌ، وَ احْتِيْــجَ لِــلْــإِفْتَــاءُ
فَلْيَــنْــظُــرِ الْــمُــفْتِىْ بِجِدٍّ وَاجْتِهَادْ	۳۸	وَلْيَــخْــشَ بَــطْــشَ رَبِّــهِ يَوْمَ الْمَعَادْ
فَــلَيْــسَ يَــجْــسُــرُ عَلَى الْأَحْكَامِ	۳۹	سِــوَى شَــقِــيٍّ خَــاسِــرِ الْــمَــرَامِ

ترجمہ: پھر جب کوئی روایت موجود نہ ہو ہمارے فہم وبصیرت رکھنے والے علماء سے اور بعد کے فقہاء میں اختلاف ہوجائے تو اس قول کو ترجیح دی جائے گی جو اکثر فقہاء مثلاً امام طحاوی، ابو حفص کبیر، ابو جعفر ہندوانی، اور مشہور ابو اللیث سمرقندی جیسے حضرات کا ہو، اور جہاں ان حضرات کا کوئی قول موجود نہ ہو اور فتوی دینے کی ضرورت ہو تو مفتی پوری کوشش اور محنت سے غور و فکر کرے اور چاہئے کہ پروردگار کی قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرے، اس لئے کہ احکام شرعیہ کو بیان کرنے میں وہی شخص دلیری کرتا ہے جو بدبخت اور مقصد میں ناکام آدمی ہوتا ہے۔

پھر ہم اگر نہ پائیں کوئی روایت ایسی
جو صاحب درایت اعلام سے ہو مروی
ہو بعد کے مشائخ میں اختلاف پیدا
اکثر کے قول پر تب مبنی رہے گا فتوی

اعلام ذودرایہ ہیں کون سے اکابر
کچھ نام ان کے سن لیں مطلب ہو جس سے ظاہر
حفص کبیر و جعفر بولیث اور طحاوی
خصاف اور کرخی حلوانی اور سرخسی
ان کا بھی قول کوئی پائے اگر نہ مفتی
سر آپڑی ہے مشکل مفتی اسیر سختی
مفتی کو ہے یہ لازم وہ غور و فکر کرلے
سوچے کہ رب ہمارا ہم کو کہیں نہ پکڑے
فتوے میں ہو دلیری یہ کام ہے شقی کا
پرسش سے ڈرتے رہنا شیوہ ہے متقی کا

●●●

وَ هٰهُنَـا ضَـوَابِطُ مُـحَـرَّرَةٌ	۴۰	غَـدَتْ لَـدٰى أَهْـلِ النُّهٰى مُقَرَّرَهْ
فِيْ كُلِّ أَبْوَابِ الْعِبَادَاتِ رُجِّحْ	۴۱	قَوْلُ الإِمَامِ مُطْلَقاً مَا لَمْ تَصِحْ
عَـنْـهُ رِوَايَةٌ بِهَـا الْغَيْـرُ أَخَـذْ	۴۲	مِثْلُ تَيَـمُّـمٍ لِـمَنْ تَـمْـرًا نَبَـذْ

ترجمہ: اور یہاں چند تنقیح شدہ ضوابط ہیں جو عقلمندوں کے یہاں طے شدہ اور مقرر ہیں: عبادات کے تمام ابواب میں مطلقاً امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جائے گی، جب تک کہ امام صاحب سے کوئی ایسی روایت ثابت نہ ہو جس کو ان کے علاوہ نے لیا ہو، جیسے تیمّم کا حکم اس شخص کے لئے جس نے پانی میں چھوہارے ڈالے ہیں۔

معدودے ضابطے بھی لکھتے ہیں اب یہاں پر
دین و خرد نے جن کو ہم پر کیا مقرر
احکام کا تعلق گر ہے عبادتوں سے
قول امام کو تب ترجیح آپ دیں گے

لیکن یہ شرط بھی ہے جو آپ یاد رکھیں
اس کے خلاف ان سے منقول کچھ نہ پائیں
ہوجائے ان سے ثابت گرکوئی قول ایسا
منسوب غیر ہوکر کہلایا قول اس کا
یہ قول فی الحقیقہ قول امام ہوگا
ظاہر میں دوسرے کا گونام اس میں ہوگا

●●●

وَ کُلُّ فَرْعٍ بِالْقَضَا تَعَلَّقَا	۴۳	قَوْلُ أَبِیْ یُوْسُفَ فِیْهِ یُنْتَقٰی
وَفِیْ مَسَائِلِ ذَوِی الْأَرْحَامِ، قَدْ	۴۴	أَفْتَوْا بِمَا یَقُوْلُهُ مُحَمَّدُ
وَرَجَّحُوْا اسْتِحْسَانَهُمْ عَلَى الْقِیَاسِ	۴۵	إِلَّا مَسَائِلَ، وَمَا فِیْهَا الْتِبَاسُ
وَظَاهِرُ الْمَرْوِیِّ، لَیْسَ یُعْدَلُ	۴۶	عَنْهُ إِلَى خِلَافِهِ، إِذْ یُنْقَلُ

ترجمہ: اور ہر وہ جزئیہ جس کا قضاء سے تعلق ہے اس میں امام ابو یوسف کا قول مختار ہے، اور ذوی الارحام کے مسائل میں فقہاء نے امام محمد کے قول پر فتوی دیا ہے، اور فقہاء نے قیاسی مسائل پر استحسان والے قول کو راجح قرار دیا ہے سوائے چند مسائل کے، اور ان مسائل میں کوئی اشتباہ نہیں ہے، اور ظاہر الروایہ سے اس کے مخالف قول کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا جب اس کے خلاف دوسری روایت منقول ہو۔

جن مسئلوں کا ہوگا امر قضاء سے رشتہ
ان میں تو بس چلے گا یعقوب ہی کا فتوی
ارحام کی بٹے گی میراث کس طرح سے
ہیں معتبر بس اس میں ابن حسن کے فتوی
ترک قیاس کرکے مستحسن ہی کو لیجئے
کچھ مسئلے ہیں ایسے جن میں خلاف کیجئے

مشہور مسئلے ہیں بے التباس کہئے
معقول بھی ہیں ایسے تحت القیاس کہئے
بس ظاہر الروایہ ہی لائق عمل ہے
جس کے مقابلے میں ہر نقل بے دخل ہے

● ● ●

لایَنبَغِی الْعُدُوْلُ عَنْ دِرَایَۃٌ	۴۷	إِذَا أَتٰی بِوَفْقِھَا رِوَایَۃٌ
وَکُلُّ قَوْلٍ جَاءَ یَنْفِی الْکُفْرَا	۴۸	عَنْ مُسْلِمٍ، وَلَوْ ضَعِیْفاً أَحْرٰی
وَکُلُّ مَا رَجَعَ عَنْہُ الْمُجْتَھِدْ	۴۹	صَارَ کَمَنْسُوْخٍ، فَغَیْرُہُ اعْتُمِدْ

ترجمہ: اور دلیل سے عدول کرنا مناسب نہیں ہے جب کہ اس کے موافق کوئی روایت بھی ہو، اور ہر ایسا قول جو مسلم سے کفر کی نفی کرتا ہو اگرچہ وہ ضعیف ہو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہے، اور ہر وہ قول جس سے مجتہد نے رجوع کرلیا ہے وہ گویا منسوخ ہوگیا ہے، پس اس کے علاوہ قول پر اعتماد کیا جائے گا۔

معقول ہے درایت وابستہ ہے روایت
اس کو نہ چھوڑیں ہر گز کہتی ہے یہ درایت
اور ایسا قول جس سے منفی ہو کفر مسلم
گو وہ ضعیف تر ہو تسلیم کرلے عالم
فتوی نہ کفر کا دے روکے زباں کو اپنی
جو کہہ گئے مشائخ مانے ہر ایک مفتی
فتوے سے مجتہد جب اپنے رجوع کرلے
مرجوع فیصلہ کو منسوخ ہی وہ مانے

وَكُلُّ قَوْلٍ فِي الْمُتُوْنِ أُثْبِتَا	۵۰	فَذَاكَ تَرْجِيْحٌ لَهُ ضِمْناً أَتٰى
فَرُجِّحَتْ عَلَى الشُّرُوْحِ،وَالشُّرُوْحُ	۵۱	عَلَى الْفَتَاوَى الْقِدَمِ مِن ذَاتِ رُجُوْح
مَا لَمْ يَكُنْ سِوَاهُ لَفْظاً صُحِّحَا	۵۲	فَالْأَرْجَحُ الَّذِي بِهِ قَدْ صُرِّحَا

ترجمہ: اور ہر وہ قول جس کو متون میں لیا گیا ہے تو یہ اس قول کی ضمنا ترجیح ہے جو اس کو حاصل ہوگئی ہے، پس ترجیح دی جائے گی متون کو شروح پر اور شروح کو قدیم فتاوی پر، یہ ترجیح اصحاب الترجیح کی جانب سے ہے، جب تک متون کے علاوہ قول کی صراحتا تصحیح نہ کی گئی ہو، ورنہ وہ قول زیادہ راجح ہوگا جس کی صراحتا تصحیح کی گئی ہے۔

مذکور متن ہونا تصحیح ہے مسلم
اس پہلو سے ہوئی ہیں شرحوں پہ یہ مقدم
متن اور شروح و فتوی ترتیب ان میں رکھیں
متن آپ پہلے دیکھیں پھر شرح و فتوی دیکھیں
تصحیح متن کو بھی ضمنی ہی آپ جانیں
جب ہو کہیں مصرح تقدیم اس کی چاہیں

● ● ●

وَسَابِقُ الْأَقْوَالِ فِي الْخَانِيَه	۵۳	وَمُلْتَقَى الْأَبْحُرِ ذُوْ مَزِيَّهْ
وَفِيْ سِوَاهُمَا اعْتُمِدَ مَا أَخَّرُوْا	۵۴	دَلِيْلَهُ لِأَنَّهُ الْمُحَرَّرْ
كَمَا هُوَ الْعَادَةُ فِي الْهِدَايَه	۵۵	وَنَحْوِهَا لِرَاجِحِ الدِّرَايَهْ
كَذَا إِذَا مَا وَاحِداً قَدْ عَلَّلُوْا	۵۶	لَهُ، وَتَعْلِيْلَ سِوَاهُ أَهْمَلُوْا

ترجمہ: اور فتاوی قاضی خان اور ملتقی الابحر میں پہلے بیان کئے ہوئے اقوال فضیلت رکھنے والے ہیں، اور ان دونوں کتابوں کے علاوہ میں اس قول پر اعتماد کیا جائے گا جس کی دلیل فقہاء بعد میں بیان کریں، کیوں کہ وہی قول تنقیح شدہ ہوتا ہے، جیسا کہ ہدایہ اور اس

جیسی کتابوں میں یہی طریقہ ہے دلیل کے اعتبار سے راجح قول کے لئے، اسی طرح جب فقہاء ایک قول کی علت بیان کریں اور اس کے علاوہ دوسرے قول کی علت نہ بیان کریں۔

فتوے کی جو کتب ہیں معمول ان کا یہ ہے
لکھتے ہیں خانیہ میں مفتی بہ کو پہلے
حلبی کا ملتقی میں معمول بھی یہی ہے
مفتی بہ جو ہوگا لکھیں گے اس کو پہلے
ان دو کے ماسوا ہیں فتوے کی جو کتابیں
معمول ان کتب کا ہے مختلف یہ سمجھیں
کرتے ہیں وہ مدلل آخر میں معتمد کو
ایسی کتب میں فتوی آخر کے قول پر ہو
تنقیح اس طرح سے ہوجاتی ہے نمایاں
اور بات کا سمجھنا ہوتا ہے سب کو آساں
کاسانی مرغینانی کا ہے یہی طریقہ
مختار قول ان کا آخر میں ہی رہے گا
اور ہوتا ہے کبھی یہ کرتے ہیں وہ مدلل
بس قول معتمد کو باقی کو کرکے مہمل

● ● ●

وَحَيْثُمَا وَجَدْتَ قَوْلَيْن،وَقَدْ	٥٧	صُحِّحَ وَاحِدٌ، فَذَاکَ الْمُعْتَمَدْ
بِنَحْوِ ذَا الْفَتْوَى عَلَيْهِ الْأَشْبَهُ	٥٨	وَالْأَظْهَر الْمُخْتَارُ ذَا وَالْأَوْجَهُ
أَوِ الصَّحِيْحُ وَالْأَصَحّ، آكَدُ	٥٩	مِنْهُ، وَقِيْلَ: عَكْسُهُ الْمُؤَكَّدُ
كَذَا:بِهِ يُفْتٰى، عَلَيْهِ الْفَتْوٰى	٦٠	وَذَانِ مِنْ جَمِيْعِ تِلْکَ أَقْوٰى

ترجمہ: اور جب آپ ایسے دو اقوال پائیں جن میں سے ایک قول کی تصحیح کی گئی ہو تو وہی قول معتمد ہوگا، (اس کی تصحیح کی گئی ہو) أَلْفَتْوٰی عَلَيْهِ، أَلْأَشْبَهُ، أَلْأَظْهَر، الْمُخْتَارُ ذَا، اور أَلْأَوْجَهُ جیسے الفاظ سے، یا صحیح اور اصح کے الفاظ سے اور اصح کا لفظ صحیح سے زیادہ مؤکد ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ صحیح کا لفظ اصح سے زیادہ مؤکد ہے، اسی طرح تصحیح کی گئی ہو بہ یفتی، یا علیہ الفتوی سے اور یہ دونوں الفاظ سابقہ تمام الفاظ سے زیادہ قوت والے ہیں۔

اور ہوں اگر کہیں پر دو قول مسئلے میں
تصحیح والا جو ہو فتوی اسی پہ دیدیں
تصحیح کے مقرر الفاظ بھی تو سن لیں
اور ان کا فرق باہم اچھی طرح سے سمجھیں
اس قول پر ہے فتوی یہ قول حق سے اشبہ
یہ قول تو ہے اظہر مختار یہ، یہ اوجہ
یہ ہے صحیح لکھیں یا یہ اصح ہے لکھیں
اور ہے اصح مؤکد یہ بھی یہیں سمجھ لیں
یہ بھی کہا گیا ہے جس کو صحیح لکھیں
ہے وہ اصح سے بہتر فتوی اسی پہ دیدیں
تصحیح کے لئے ہے لکھنا علیہ فتوی (علیہ الفتوی)
پہلے بہ لکھا ہو یفتی کا پھر ہو فقرہ (بہ یفتی)

● ● ●

وَإِنْ تَجِدْ تَصْحِيحَ قَوْلَيْنِ وَرَدْ	۶۱	فَاخْتَرْ لِمَا شِئْتَ، فَكُلٌّ مُعْتَمَدْ
إِلَّا إِذَا كَانَا صَحِيحاً وأَصَحْ	۶۲	أَوْ قِيلَ: ذَا يُفْتَى بِهِ فَقَدْ رَجَحْ
أَوْ كَانَ فِي الْمُتُونِ أَوْ قَوْلَ الْإِمَامْ	۶۳	أَوْ ظَاهِرَ الْمَرْوِيّ أَوْ جُلُّ الْعِظَامْ

قَالَ بِهِ، أَوْ كَانَ الإسْتِحْسَانَا	٦٤	أَوْ زَادَ لِلْأَوْقَافِ نَفْعاً بَانَا	
أَوْ كَانَ ذَا أَوْفَقَ لِلزَّمَانِ	٦٥	أَوْ كَانَ ذَا أَوْضَحَ فِي الْبُرْهَانِ	

ترجمہ:اوراگرآپ تصحیح پائیں دوایسےاقوال کی جن میں سے ہرایک قول مروی ہوتو آپ ان میں سے جس کا چاہیں انتخاب کرلیں،اس لیے کہ ان میں سے ہرایک قول قابل اعتماد ہے،مگر جب دونوں صحیح واصح ہوں (یعنی ایک قول میں صحیح کا لفظ ہواور دوسرے قول میں اصح کا لفظ ہو)،یا(کسی ایک کے بارے میں) کہا گیا ہو کہ اس قول پرفتوی ہے تو یقیناً وہی قول راجح ہوگا،یاان میں سے ایک قول متون میں ہو،یاان میں سے ایک قول امام اعظم کا ہو،یاان میں سے ایک قول ظاہرالروایہ میں ہو،یاان میں سے ایک قول کے قائل بڑے بڑے فقہاء ہوں،یاان میں سے ایک قول استحسان پرمبنی ہو،یاان میں سے ایک قول اوقاف کے لیے واضح طور پرنفع بخش ہو،یاان میں سے ایک قول زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو،یاان میں سے ایک قول دلیل میں واضح تر ہو(تو ان تمام صورتوں میں جس قول میں مذکورہ بالا وجوہ ترجیح میں سے کوئی وجہ ترجیح مل جائے اسی قول پرفتوی دیں گے)۔

دو قول کی کہیں پر تصحیح آپ دیکھیں
دونوں ہی معتمد ہیں فتوی کسی پہ دیدیں
یا ایک تو اصح ہو اور دوسرا صحیح ہو
یہ بحث ہوچکی ہے پھر اس کو یاد کرلو
یا جب کسی کے حق میں یفتی بہ بھی کہدیں
ترجیح اب اسی کی ہے بالیقین جانیں
وہ قول بھی جو ان کا مذکور متن نکلے
اور ایک قول وہ جو قول امام ٹھہرے

یا ایک قول ان میں ہو ظاہر الروایہ
یا پھر بڑوں نے ہم کو وہ قول ہو بتایا
یا قول وہ جو ٹھہرے استحسان کا نتیجہ
یا وقف کے لئے ہو وہ قول فائدے کا
یا قول وہ زمانہ کے حسب حال ٹھہرے
یا قول وہ درایت میں سب سے بڑھ کے نکلے

●●●

هَـذَا إِذَا تَـعَـارَضَ التَّـصْـحِـيْـحُ	٦٦	أَوْ لَـمْ يَـكُـنْ أَصْلاً بِـهِ تَـصْـرِيْـحُ
فَتَــأْخُـذُ الَّـذِيْ لَـــهُ مُـرَجِّـحُ	٦٧	مِـمَّـا عَـلِـمْـتَـهُ، فَـهَـذَا الْأَوْضَـحُ

ترجمہ: یہ ترجیح والی بات اس صورت میں ہے جب کہ دو اقوال کی تصحیح میں تعارض ہو جائے یا تصحیح کی بالکل صراحت نہ ہو، پس اس قول پر عمل کرو جس قول میں ان مرجحات میں سے کوئی وجہ ترجیح ہو جن کو آپ جان چکے ہیں، پس یہ نہایت واضح بات ہے۔

یہ جب ہے جب تعارض تصحیح میں کہیں ہو
یا جب ہے جب کہ کوئی تصریح ہی نہیں ہو
اب آپ قول وہ لیں ترجیح جس کی دیکھیں
کل دس وجوہِ ترجیح یہ تھیں جو پڑھ چکے ہیں

●●●

وَاعْـمَـلْ بِـمَـفْـهُـوْمِ رِوَايَاتٍ أَتٰـى	٦٨	مَـا لَـمْ يُـخَـالِفْ لِـصَـرِيْـحٍ ثَبَـتَا
وَالْـعُـرْفُ فِـي الشَّـرْعِ لَـهُ اِعْـتِـبَـار	٦٩	لِـذَا عَـلَـيْـهِ الْـحُـكْـمُ قَـدْ يُـدَار

ترجمہ: اور آپ منقول شدہ روایتوں کے مفہوم پر عمل کریں جب تک کہ وہ کسی صریح ثابت شدہ قول کے خلاف نہ ہو، اور شریعت میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے، اسی وجہ سے بہت سارے احکام کا دارومدار عرف پر رکھا گیا ہے۔

ہر قول کا مخالف مفہوم جو بھی نکلے
حکمِ صریح کوئی ٹکرائے جب نہ اس سے
وہ قابل عمل ہے یہ بات یاد رکھئے
یہ نص میں ناروا ہے پھر اس سے باز رہئے
اور عرف کا شریعت ہے اعتبار کرتی
اور حکم کا کبھی تو اس پر مدار رکھتی

●●●

وَلا يَجُوزُ بِالضَّعِيفِ الْعَمَلْ	۷۰	وَلا بِهٖ يُجَابُ مَنْ جَاءَ يَسْأَلْ
اِلَّا لِعَامِلٍ لَهٗ ضَرُوْرَةْ	۷۱	أو مَنْ لَهٗ مَعْرِفَةٌ مَشْهُوْرَةْ
لٰكِنَّمَا الْقَاضِيْ بِهٖ لا يَقْضِيْ	۷۲	وَاِنْ قَضٰى فَحُكْمُهٗ لا يَمْضِيْ
لا سِيَّمَا قُضَاتُنَا اِذْ قُيِّدُوا	۷۳	بِرَاجِحِ الْمَذْهَبِ اِذْ قُلِّدُوا

ترجمہ: اور ضعیف قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ضعیف قول کے مطابق سوال کرنے والے کو جواب دیا جائے گا، مگر جس عمل کرنے والے کو مجبوری ہو یا جس مفتی کو مہارتِ تامہ حاصل ہو (تو وہ ضعیف قول پر عمل کرسکتا ہے) البتہ قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، خاص طور پر ہمارے زمانے کے قاضی، اس لیے کہ انھیں مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند بنایا گیا ہے جب انھیں قضا کا عہدہ سونپا گیا۔

قول ضعیف جو ہو اس پر عمل نہ کیجئے
جو آئے پوچھنے کو وہ بے جواب لوٹے
لیکن اگر ہو کوئی مجبور بالضرورہ
یا ایسا کوئی مفتی ہو معرفت میں شہرہ

ان کو عمل ہے جائز قول ضعیف پر بھی
مجبوری اور ضرورت ہوتی ہے معتبر بھی

قاضی کو ناروا ہے اس پر وہ فیصلہ دے
گر فیصلہ وہ کردے وہ غیر معتبر ہے

اور خاص کر جو قاضی ہم عہد ہیں ہمارے
جو عہد کرچکے ہیں پابند ہیں یہ اس کے

●●●

وَتَمَّ مَا نَظَمْتُهُ فِيْ سِلْكٍ	۷۴	وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ خِتَامُ مِسْكٍ

ترجمہ: اور پورے ہوئے وہ مضامین جو میں نے لڑی میں پرویا تھا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (یہ منظومہ) مشک کی مہر ہے۔

موتی پروچکا میں جو کچھ بھی تھے پرونے
اے رب ہے شکر تیرا توفیق دی جو تونے

رومی نے نظم مفتی بارہ دنوں میں لکھی
ہر بات قیمتی ہے اور کہنے والا مفتی

شکرِ خدا زباں سے رومی ادا ہو کیسے
کہدو زباں خامہ عجز و قصور لکھدے

نسیم المفتی

فی حل مباحث

شرح عقود رسم المفتی

دوسرا باب

افتاء اور فتویٰ کے اصول ومناہج

مرتب

مولانا ومفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ وافتا معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

مفتی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان منصب پر فائز ہوتا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ فتوی دیتے وقت اس عظیم منصب کا خیال رکھے، اور سستی شہرت ونا موری اور دیگر فاسد اغراض ومقاصد کی وجہ سے ایسا فتوی نہ دے جس سے مسلم معاشرہ میں انتشار وخلفشار پیدا ہو، بلکہ حق گوئی سے کام لیتے ہوئے اور اس منصب کی پاسداری کرتے ہوئے فتوی دینے میں احتیاط برتے اور صحیح اور راجح قول پر ہی فتوی دیا کرے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

جو شخص اس عظیم منصب پر فائز ہو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس منصب کے لیے پوری تیاری کرلے اور اس منصب کی قدر ومنزلت کا خیال رکھے اور حق بات کو بیان کرنے سے نہ رکے، نیز اس کا بھی خیال رکھے کہ فتوی دینے میں کس عظیم ہستی کا وہ قائم مقام ہے اور اس کا یقین رکھے کہ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے اس سے سوال کیا جائے گا۔

(إعلام الموقعين عن رب العالمين: ۱۲/۲)

افتاء اور فتوی نویسی کی اسی اہمیت کے پیش نظر شرح عقود رسم المفتی کو بنیاد بنا کر اس باب میں افتاء کے اصول وضوابط پر مختلف کتابوں کے حوالہ سے ایک نئے انداز میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، واضح ہو کہ ان اصول وضوابط کا بیشتر حصہ علامہ ابن عابدین شامی کی **شرح عقود رسم المفتی**، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی **اصول الافتاء و آدابہ**، فقیہ النفس مفتی سلمان منصور پوری کی فتوی نویسی کے رہنما اصول، فقیہ العصر استاذ محترم حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کی کتاب الفتاوی کا مقدمہ اور ڈاکٹر احمد بن محمد النقیب کی **المذهب الحنفی** سے مستفاد ہے۔

پہلا اصول

مفتی کا راجح قول پر فتوی دینا

فقہ حنفی کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کی بابت فقہاء احناف سے مختلف اور متعارض اقوال مروی ہیں، جن میں سے بعض کو اصحاب الترجیح نے راجح اور مفتی بہ جبکہ بعض کو مرجوح اور ضعیف قرار دیا ہے، ان مسائل کی بابت فتوی دینے کے سلسلے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ فتوی ہمیشہ اس قول پر دیں گے جس کو اصحاب الترجیح نے راجح قرار دیا ہو، مرجوح اور ضعیف قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے، علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: اس شخص پر جو خود عمل کرنا چاہتا ہو یا دوسروں کو فتوی دینا چاہتا ہو لازم ہے کہ وہ اس قول کی پیروی کرے جس کو اس کے مذہب کے علماء نے راجح قرار دیا ہے، پس اس کے لیے (عام حالات میں) مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا جائز نہیں ہے، سوائے چند مقامات کے (کہ ان میں ضعیف قول پر عمل کرنے اور فتوی دینے کی گنجائش ہے) جیسا کہ نظم میں (ان مقامات کا تذکرہ) آئے گا۔(شرح عقود رسم المفتی:۴۳)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس اصول کی تائید میں چھ فقہاء کرام کے اقوال نقل کیے ہیں جو بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔ محقق ابن حجر مکی کی "الفتاوی الکبری" میں ہے:

امام نووی نے "زوائد الروضہ" میں لکھا ہے کہ مفتی اور عمل کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر غور و فکر کیے ہوئے دو قولوں یا دو وجہوں میں سے جس پر چاہے فتوی دے یا عمل کرے اور اس سلسلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور زوائد الروضہ کے مصنف سے پہلے علامہ ابن الصلاح نے مفتی اور عمل کرنے والے دونوں کے سلسلہ میں اور علامہ باجی مالکی نے صرف مفتی کے سلسلے میں (راجح قول پر فتوی کے واجب ہونے اور مرجوح

قول پر فتوی کے عدم جواز پر) اجماع نقل کیا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٤)

۲۔ امام ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ مجتہد اور مقلد دونوں کے لیے مرجوح قول پر فیصلہ کرنا اور فتوی دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تو خواہش کی پیروی کرنا ہے جو بالا جماع حرام ہے، اور اس حرمت کا مصداق مجتہد (فی المذہب) کے بارے میں وہ صورت ہے جب کہ دلائل ان کے نزدیک متعارض نہ ہوں اور وہ ترجیح سے عاجز نہ ہوں، کیوں کہ مجتہد مقلد کے لیے اس وقت (یعنی جب دلائل میں تعارض ہو اور وہ ترجیح سے عاجز ہو) دوقولوں میں سے (کسی بھی) ایک قول پر فیصلہ کرنا بالا جماع جائز ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٤)

۳۔ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اپنی کتاب التـرجیـح والتـصـحیـح لـلقدوری کے شروع میں کہا ہے کہ مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم ہے جو ہمارے ائمہ کے مذہب کے سلسلے میں اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے، حتی کہ بعض قاضیوں کی زبانی میں نے یہ بات بھی سنی ہے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں! ضعیف قول پر فتوی دینے میں حرج ہے، اس لیے کہ نفسانی خواہش کی پیروی کرنا حرام ہے اور راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول معدوم کے درجہ میں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٥)

۴۔ علامہ برہان الدین ابراہیم بن علی ابن فرحون یعمری کی "تبـصـرة الـحـكـام فـی اصـول الاقضية ومناهج الاحكام" میں ہے کہ جو شخص دو روایتوں یا دو اقوال میں سے مشہور قول و روایت پر مطلع نہ ہو تو اس کے لیے اپنی خواہش کی اتباع کرنا اور ترجیح میں غور و فکر کیے بغیر ان دونوں میں سے جس پر چاہے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٥)

۵۔ امام ابوعمرو عثمان ابن الصلاح نے "آداب المفتی" میں کہا ہے:
جان لو! کہ جو شخص صرف اس بات کو کافی سمجھتا ہو کہ اس کا فتوی یا اس کا عمل مسئلہ میں کسی قول یا وجہ کے موافق ہو جائے اور ترجیح میں غور وفکر کیے بغیر ان اقوال و وجوہ میں سے جس پر چاہتا ہو عمل کرتا ہو تو وہ نادان ہے اور اجماع کے خلاف عمل کرنے والا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٦)

٦۔ قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا تو فقہاء نے اس سلسلے میں انھیں ایسا فتوی دیا جس میں ان کا نقصان تھا، پھر جب علامہ باجی نے ان لوگوں سے (براہ راست) سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ کا معاملہ ہے اور انھوں نے دوسری روایت پر فتوی دیا جو ان کے مقصد کے مطابق تھا، علامہ باجی فرماتے ہیں: اور اس صورت کے عدم جواز میں ان مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جن کی بات اجماع کے لیے معتبر سمجھی جاتی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٦)

دوسرا اصول

متعارض اقوال میں ترجیح کے اصول

جب آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ مفتی کے لئے صرف راجح قول کی پیروی کرنا واجب ہے اور مرجوح قول پر فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے، تو اب آپ کے لئے اُن اصول وضوابط سے واقف ہونا بھی ضروری ہے جن کی بنیاد پر متعارض اقوال میں سے ایک قول کو راجح اور دوسرے قول کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ فتاوی خیریہ میں ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں سے راجح اور مرجوح اقوال کو پہچاننا اور قوت وضعف کے اعتبار سے ان اقوال کے درجات کو جاننا علم کے حصول میں کوشش کرنے والوں کی آخری آرزو ہوا کرتی ہے، لہذا! مفتی اور قاضی پر فرض ہے کہ وہ تحقیقی جواب دیں، اندازے سے جواب نہ دیں، حلال کو حرام کر کے یا حرام کو حلال کر کے اللہ تعالی پر افتراء سے ڈرے، اس کے لئے نفسانی خواہش کی اتباع کرنا اور اس مال کی طرف مائل ہونا حرام ہے جو بڑی آفت اور عظیم مصیبت ہے، اس لیے کہ فتوی دینا نازک کام ہے، اس سلسلہ میں ناواقف اور بدبخت لوگ ہی جسارت کرتے ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی: ٥٤)

علامہ شامی کی مایۂ ناز کتاب شرح عقود رسم المفتی کے اکثر مضامین میں انھیں اصول وضوابط کو تحریر کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر راجح ومرجوح اقوال میں تمیز کیا جاتا ہے اور جن کی بنیاد پر مشائخ کی ترجیحات میں تطبیق دی جاتی ہے، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی کتاب الفتاوی کے مقدمہ میں ان اسباب کی جانب اختصار کے ساتھ اشارہ کیا ہے جن کی بنیاد پر متعارض اقوال میں سے کسی قول کو راجح قرار دیا جاتا ہے اور ترجیح میں اختلاف کی صورت میں کسی ایک فقیہ کی ترجیح پر عمل کرلیا جاتا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ جن مسائل میں مشائخ حنفیہ کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں ترجیح کی بنیادیں کیا ہوں گی اس

سلسلہ میں مختلف اسباب ووجوہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ بسا اوقات شخصیت کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً جو فقیہ اونچے طبقہ میں شامل ہوتا ہے اس کا قول اس فقیہ کے مقابلے میں راجح ہوتا ہے جو اس سے نچلے طبقہ میں ہوتا ہے۔

۲۔ کبھی ترجیح نقل وروایت کے استناد کے اعتبار سے دی جاتی ہے، یعنی ایک مسئلہ میں دو اختلافی اقوال سامنے آنے کی صورت میں اس قول کو راجح سمجھا جاتا ہے جو مضبوط سند سے مروی ہوتا ہے، مثلاً ظاہر الروایہ اور روایۃ النوادر میں تعارض کی صورت میں ظاہر الروایہ کا قول راجح ہوتا ہے۔

۳۔ بعض مرتبہ کتابوں کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، اس لیے کہ بعض مصنفین مذہب کی معتبر روایات کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور بعض اہل علم ہر طرح کے اقوال جمع کر دیتے ہیں، مثلاً متون اور شروح میں تعارض ہونے کی صورت میں متون والے قول کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لیے کہ متون کا درجہ شروح سے بڑھا ہوا ہے۔

۴۔ بعض دفعہ دلیل کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً ایک قول استحسان پر مبنی ہو اور دوسرے قول کی بنیاد قیاس پر ہو تو عموماً اس قول کو ترجیح دی جاتی ہے جو استحسان پر مبنی ہوتا ہے۔

۵۔ بسا اوقات ترجیح کی بنیاد وہ الفاظ ترجیح ہوا کرتے ہیں جن کو فقہاء کسی قول کی صحت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لکھا کرتے ہیں، مثلاً ایک فقیہ کسی قول کو صحیح قرار دیں اور دوسرا فقیہ اس کے مخالف قول کو اصح قرار دیں تو جس نے اصح کا لفظ استعمال کیا ہے ان کی ترجیح معتبر ہوتی ہے۔

(مستفاد از مقدمہ کتاب الفتاوی: ۱/۲۶۰۔۲۶۶)

ذیل میں شرح عقود رسم المفتی کے پورے مضامین کو سامنے رکھتے ہوئے ترجیح کے اصول وضوابط کو قدرے تفصیل سے نقل کیا جاتا ہے۔

شخصیت کی بنیاد پر ترجیح کے تیرہ (۱۳) اصول

فقہ حنفی کے مختلف فیہ اقوال میں سے کسی قول کو بعض اوقات شخصیت کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، کیوں کہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے تمام فقہاء یکساں صفات کے حامل نہیں ہوتے ہیں، ان میں فقہی بصیرت اور دلائل کی معرفت کے اعتبار سے نمایاں فرق ہوتا ہے، لہذا جو فقیہ علم و تحقیق میں بڑھا ہوا ہو اس کا قول اپنے مقابل کی بہ نسبت زیادہ راجح ہوگا، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک فقیہ کو بسا اوقات ممارست اور تجربہ کی بنیاد پر فقہ کے مختلف ابواب میں سے کسی مخصوص باب میں زیادہ مہارت ہو جاتی ہے، جب کہ اس باب میں دوسرے فقیہ کو اتنی مہارت نہیں ہوتی ہے، لہذا ایسی صورت میں اس باب کے ماہر مفتی کے قول کو دوسرے فقیہ کے قول پر مقدم کرنا لازم ہوگا، اسی طرح کبھی کبھی کسی مسئلہ میں احناف کے ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہونے کے باوجود متاخرین فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا ہے، لہذا ان تمام صورتوں میں فتوی دیتے وقت درج ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی:

پہلا اصول: جب احناف سے صرف ایک قول مروی ہو

جب کسی مسئلہ میں فقہاء احناف سے صرف ایک قول مروی ہو تو اسی قول پر عمل کرنا اور فتوی دینا لازم ہے، خواہ وہ مسئلہ ظاہر الروایہ سے ماخوذ ہو یا نوادر سے یا فتاوی و واقعات سے، لیکن اگر بدیہی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ کا جواب کسی ایسی علت پر مبنی تھا جو علت اب نہیں پائی جا رہی ہے تو اس قول پر عمل کرنا لازم نہ ہوگا۔

(اصول الافتاء و آدابہ: ۱۹۸، المدخل المفصل الی الفقہ الحنفی لابی الحاج: ۵۲۳)

دوسرا اصول: امام اعظم کے قول پر فتوی دینا

جب کسی مسئلہ میں صرف امام ابوحنیفہ کا قول منقول ہو تو اسی پر فتوی دیں گے، خواہ علماء مذہب میں سے کسی فقیہ نے اس قول کی تصحیح و ترجیح کی صراحت کی ہو یا نہیں، علامہ ابن

بحیمؒ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے قول کو مشائخ مذہب کی ترجیح وتصحیح کی ضرورت نہیں ہے، لہذا جب کسی مسئلہ میں ان کا قول پایا جائے تو اسی پر عمل کیا جائے گا، خواہ مشائخ نے اس کی صحت کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو۔

(الرسائل الزینیه فی مذهب الحنفیه :۱۰۷، ۱۱۵، ۱۲۱،المذهب الحنفی: ۱/ ۲۵۰)

تیسرا اصول: جب احناف سے مختلف اقوال مروی ہوں

جب کسی مسئلہ میں فقہاء احناف سے مختلف اقوال مروی ہوں تو مفتی اس قول پر فتوی دے گا جس کو علماء مذہب میں سے اصحاب الترجیح نے راجح قرار دیا ہو، خواہ ان حضرات نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہو یا صاحبین کے قول کو، کیوں کہ یہ حضرات امام اعظم اور صاحبین دونوں کے دلائل سے واقف تھے، ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے امام اعظم کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر اس لئے فتوی دیا کہ وہ امام صاحب کی دلیل پر مطلع نہیں ہوسکے، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتابوں کو دونوں کے دلائل سے بھر دیا ہے اور انھوں نے اپنے آپ کو مذہب حنفی کی تائید وتنقیح کے لئے وقف کر دیا تھا، پس ان کی ترجیح پر عمل کرنا واجب ہوگا، خواہ وہ کسی بھی فقیہ کے قول کو راجح قرار دیں۔

(شرح عقود رسم المفتی:۸۷، ۱۰٦، ۱۱۰)

چوتھا اصول: جب کسی مسئلہ میں احناف کا اتفاق ہو

جب کسی مسئلہ میں احناف کے ائمۂ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو انھیں کے قول پر عمل کرنا اور فتوی دینا واجب ہے، خواہ مفتی مجتہد ہو یا غیر مجتہد، کیوں کہ بعد کے کسی بھی مجتہد کا اجتہاد ان ائمہ کے اجتہاد سے قوی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی بعد کے کسی مجتہد کی نظر متقدمین ائمہ کی نظر سے باریک ہوسکتی ہے، لہذا ظاہر بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قول کی بنیاد کسی ایسی دلیل پر رکھی ہوگی جہاں تک بعد والے مجتہد مفتی کی رسائی نہیں ہوسکی، پس ائمہ ثلاثہ کے قول سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۹۵، ۹۹)

پانچواں اصول: جب کسی مسئلہ میں احناف کا اختلاف ہو

۱۔ جب کسی مسئلہ میں احناف کے ائمۂ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد میں سے ہر ایک سے مختلف اقوال مروی ہوں، بایں طور کہ ہر ایک کا الگ الگ قول ہو اور اصحاب الترجیح نے کسی قول کو راجح نہ قرار دیا ہو تو امام اعظم کے قول پر فتوی دینا لازم ہوگا اور بغیر کسی شدید ضرورت کے ان کے قول سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ نیز امام صاحب کا قول اس صورت میں بھی راجح ہوگا جب کہ صاحبین میں سے کسی ایک کا قول امام اعظم کے قول کے موافق ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۰۲،فتاوی قاضی خان:۹/۱)

چھٹا اصول: امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف عصر وزمان پر مبنی ہو

جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ ایک جانب ہوں اور دوسری جانب ان کے اصحاب یا صاحبین ہوں تو اگر ان کے اختلاف کا دار و مدار عصر وزمان پر ہو، بایں طور کہ امام صاحب نے اپنے زمانہ کے احوال اور عرف کے مطابق فتوی دیا ہو اور اصحاب کے زمانہ میں عرف اور احوال میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے اصحاب نے دوسرے قول پر فتوی دیا ہو تو اس صورت میں صاحبین اور دیگر اصحاب کا قول ہی راجح ہوگا، کیوں کہ عرف کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۰۳،فتاوی قاضی خان:۹/۱)

ساتواں اصول: امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف عصر وزمان پر مبنی نہ ہو

جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ ایک جانب ہوں اور دوسری جانب ان کے اصحاب یا صاحبین ہوں اور ان کے اختلاف کا دار و مدار عصر وزمان پر نہ ہو تو کن کے قول پر فتوی دیں گے اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے: پہلا قول یہ ہے کہ بہر صورت امام اعظم کے قول پر فتوی دیں گے اور اس سے عدول نہیں کریں گے، یہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مفتی کو مطلقا اختیار رہوگا، اگر چاہے تو امام اعظم کے قول پر فتوی

دے اور اگر چاہے تو صاحبین کے قول پر فتوی دے، تیسرا قول یہ ہے کہ مفتی اگر مجتہد ہو تو اسے اختیار ہوگا، وہ دلیل کے اعتبار سے جس قول کو راجح سمجھے اسی پر فتوی دے اور اگر مفتی غیر مجتہد ہو تو وہ امام اعظم کے قول پر فتوی دینے کا پابند ہوگا۔ واضح ہو کہ یہ تیسرا قول دراصل پہلے اور دوسرے قول میں تطبیق کی ایک شکل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول مفتی غیر مجتہد سے متعلق ہے اور دوسرا قول مجتہد مفتی کے ساتھ خاص ہے، پس اس اعتبار سے دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہوگا، کیوں کہ دونوں کا مصداق الگ الگ ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۰۲،فتاوی قاضی خان:۹/۱،الحاوی القدسی:۵۶۲/۲)

فائدہ: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مجتہد مفتی کا پایا جانا مشکل ہے اور غیر مجتہد مفتی میں دلیل کے اعتبار سے کسی قول کو ترجیح دینے کی صلاحیت نہیں ہے، لہذا اب بہر صورت امام اعظم کا قول راجح ہوگا، مگر یہ کہ اصحاب الترجیح کسی دوسرے قول کو راجح قرار دیں۔ (شرح عقود رسم المفتی:۱۰۶)

آٹھواں اصول: امام اعظم کے شاگردوں کے قول پر فتوی دینا

جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول موجود نہ ہو اور امام ابو یوسف کا قول موجود ہو تو ان کا قول دیگر اصحاب کے قول پر مقدم ہوگا، اور اگر ان کا قول بھی موجود نہ ہو تو امام محمد کا قول مقدم ہوگا، اور اگر ان کا بھی قول موجود نہ ہو تو امام زفر اور حسن بن زیاد کا قول راجح ہوگا اور ان دونوں کے اقوال ایک ہی درجہ میں ہیں، لیکن بعض کتابوں میں ہے کہ امام زفر کا قول حسن بن زیاد کے قول پر مقدم ہوگا، واضح ہو کہ یہی ترتیب اس صورت میں بھی ہے جبکہ امام اعظم سے کوئی قول منقول نہ ہو اور ان کے اصحاب کے مابین اختلاف ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی:۹۹،۱۰۰،الحاوی القدسی:۵۶۲/۲)

نواں اصول: مشائخ کے قول پر فتوی دینا

جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں سے کسی سے کوئی قول مروی

نہ ہو، تو مشائخ متاخرین کے قول کی طرف نظر کریں گے، اگر اس سلسلہ میں مشائخ متاخرین کا کوئی متفق علیہ قول مل جائے تو اسی متفق علیہ قول پر عمل کرنا لازم ہوگا اور اگر اس مسئلہ کی بابت مشائخ متاخرین کا اختلاف ہو تو اکابر اور مشہور و معروف فقہاء، جیسے امام طحاوی، امام ابواللیث سمرقندی اور امام ابوالحسن کرخی وغیرہم کا جو قول ہوگا وہی راجح ہوگا اور اسی پر فتوی دیں گے۔(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۰، ۱۲۱، الحاوی القدسی: ۵۶۲/۲)

دسواں اصول: عبادات میں امام اعظم کا قول مفتی بہ ہے

عبادات کے تمام ابواب مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے مسائل میں امام اعظم اور ان کے اصحاب کے مابین اختلاف کی صورت میں امام صاحب کا مشہور قول راجح اور مفتی بہ ہوگا، لیکن اگر اصحاب الترجیح امام صاحب کے کسی ایسے قول کو راجح قرار دیں جو گرچہ امام اعظم کا مشہور قول نہ ہو، لیکن ان کے شاگردوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہو تو اس صورت میں مفتی کے لئے اصحاب الترجیح کی ترجیح پر عمل کرنا لازم ہوگا اور امام اعظم کے مشہور قول کو اختیار کرنا درست نہیں ہوگا، علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں: استقراء اور تتبع سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علماء نے عبادات میں امام ابوحنیفہ کے مشہور قول کو اختیار کیا ہے اور اگر کبھی کسی مسئلہ میں مشہور قول کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو ایسے قول کو اختیار کیا ہے جس کے موافق امام صاحب کی کوئی روایت بھی موجود ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۶، المذہب الحنفی: ۲۵۱/۱)

گیارہواں اصول: قضاء کے باب میں امام ابو یوسف کا قول مقدم ہے

قضاء کے تمام ابواب مثلاً کتاب القاضی الی القاضی اور کتاب الشہادات وغیرہ میں احناف کے ائمۂ ثلاثہ میں اختلاف کی صورت میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دینا لازم ہوگا، کیوں کہ وہ ہارون رشید کے زمانہ میں عرصہ دراز تک منصب قضاء پر فائز رہے جس کی وجہ سے اس باب میں انھیں علمی و عملی تجربہ اوروں کی بہ نسبت زیادہ حاصل ہوا، لہذا قضاء کے

ابواب میں انھیں کا قول مقدم ہوگا۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۲۷)

بارہواں اصول: وراثت میں امام محمد کا قول مفتی بہ ہے

ذوی الارحام کے مابین تقسیم وراثت کے مسائل میں امام محمد کا قول مفتی بہ ہوگا،لیکن امام احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ امام محمد کے قول پر عمل کرنے میں کافی دشواری ہے، کیوں کہ ان کے اصول کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ کا استخراج نہایت ہی مشکل ہے،اس لئے بعض حضرات نے لوگوں کی سہولت کے پیش نظر امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۲۵،درس عقود رسم المفتی:۱۵٤،فتاوی رضویه:۳۵٦/۲٦)

تیرہواں اصول: سترہ مسائل میں امام زفر کا قول راجح ہے

فقہ حنفی میں سترہ مسائل ایسے ہیں جن میں امام زفر اور احناف کے دیگر ائمہ کے مابین اختلاف ہے،اور اصحاب الترجیح نے امام زفر کے قول کو راجح قرار دیا ہے، پس ان مسائل میں امام زفر کے قول پر فتوی دینا لازم ہوگا۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۰۷)

واضح ہو کہ شیخ ابراہیم بیری نے ألقول الأزهر فيما يفتى فيه بقول الامام زفر نامی رسالہ میں ان تمام مسائل کو یکجا جمع کر دیا ہے، نیز علامہ شامی نے فتاوی شامی (باب النفقہ: ۳۳۰/۵) میں اور فقیہ النفس مفتی سلمان منصور پوری نے فتوی نویسی کے رہنما اصول (ص ۱۹۱۔۱۹۸) میں ان مسائل کی دل نشیں تشریح کی ہے جن کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

کتابوں کی بنیاد پر ترجیح کے چھ (٦) اصول

فقہ حنفی کے مختلف فیہ اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح بسا اوقات ان کتابوں کی بنیاد پر ہوتی ہے جن کتابوں میں وہ اقوال منقول ہوتے ہیں، کیوں کہ بعض کتابیں سندی اعتبار سے مشہور و معروف ہوتی ہیں اور ان کے مصنفین نے راجح اور صحیح قول لکھنے کا التزام کیا ہوتا ہے، جبکہ بعض کتابیں ایسی نہیں ہوتی ہیں، بعض کتابوں میں مسائل نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان

اقوال کے دلائل اور طریقہ استدلال پر بھی بحث کی جاتی ہے، نیز متعارض اقوال میں راجح قول کی تعیین اور وجہ ترجیح بھی ذکر کئے جاتے ہیں، جب کہ بعض کتابیں ان خصوصیات سے خالی ہوتی ہیں، لہذا فتوی دیتے وقت درج ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی:

پہلا اصول: ظاہر الروایہ پر فتوی دینا واجب ہے

۱۔ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایہ یعنی امام محمد بن حسن شیبانی کی مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر اور سیر کبیر میں بغیر کسی اختلاف کے مذکور ہو تو اسی پر عمل کرنا اور فتوی دینا لازم ہے، خواہ فقہاء نے اس قول کے مفتی بہ ہونے کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو، اس لئے کہ یہ چھ کتابیں امام محمد سے مشہور و معروف اور مضبوط سند سے مروی ہیں، پس ان کتابوں پر عمل کرنا واجب ہوگا اور ان سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا، مگر یہ کہ اصحاب الترجیح دوسرے قول کو راجح قرار دیں تو ان کی ترجیح کا اعتبار کیا جائے گا۔

(فتاوی قاضی خان: ۹/۱، شرح عقود رسم المفتی: ۴۳)

۲۔ فقہ حنفی کے کسی مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کے مسائل غیر ظاہر الروایہ، متون، شروح اور فتاوی کے مسائل پر مقدم ہوں گے اور ظاہر الروایہ سے عدول کرنا مفتی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ (شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۶، ۱۳۲)

دوسرا اصول: ظاہر الروایہ میں آخری تصنیف کا اعتبار ہوگا

جب کسی مسئلہ کی بابت ظاہر الروایہ یعنی امام محمد کی مذکورہ بالا کتابوں میں مختلف اور متعارض اقوال مروی ہوں تو مجتہد مفتی دلیل کے اعتبار سے جس قول کو راجح قرار دے وہی راجح ہوگا اور اگر مجتہد مفتی سے کوئی ترجیح منقول نہ ہو تو غیر مجتہد مفتی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بعد والی تصنیف پر اعتماد کرے، مثلاً مبسوط اور جامع کبیر میں اختلاف کی صورت میں جامع کبیر والا قول راجح ہوگا، اس لئے کہ جامع کبیر مبسوط کے بعد لکھی گئی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۷۶، المذهب الحنفی: ۱/۲۶۱)

واضح ہو کہ تصنیف کے اعتبار سے ظاہر الروایہ کی ترتیب درج ذیل ہے: (۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔

(المذهب الحنفی: ۲٦۱/۱)

تیسرا اصول: غیر ظاہر الروایہ پر فتوی دینا

جب کسی مسئلہ کی بابت ظاہر الروایہ اور غیر ظاہر الروایہ میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا اور فتوی دینا واجب ہے، لیکن اگر اصحاب الترجیح قوت دلیل، عرف وعادت یا دیگر اسباب ترجیح میں سے کسی سبب کی بنیاد پر غیر ظاہر الروایہ کو راجح قرار دیں تو ان کی ترجیح پر عمل کرتے ہوئے غیر ظاہر الروایہ پر فتوی دینا واجب ہوگا۔

(المذهب الحنفی: ۲٦۲/۱، شرح عقود رسم المفتی: ۷٦)

چوتھا اصول: متون کے مسائل شروح وفتاوی پر مقدم ہوں گے

جب کسی مسئلہ کی بابت متون اور شروح وفتاوی میں اختلاف ہو جائے تو متون والا قول راجح اور مقدم ہوگا، کیوں کہ فقہاء کرام نے فقہ کے جو متون مرتب فرمائے ہیں ان کی عبارتیں انتہائی جامع ومانع اور حشو وزوائد سے پاک ہوتی ہیں، ان متون میں راجح قول بیان کرنے کا التزام بھی کیا جاتا ہے، لہذا متون والا قول مقدم ہوگا۔ واضح ہو کہ متون سے مراد صرف معتبر متون ہیں۔ (شرح عقود رسم المفتی: ۱۳۲، ۱۳۳)

پانچواں اصول: شروح کے مسائل فتاوی پر مقدم ہوں گے

فقہ حنفی کے اکثر متون اختصار کی وجہ سے انتہائی مشکل اور دقیق ہیں اور بہت سے مقامات پر ان کے مصنفین نے کسی شرط اور قید کی طرف بہت مختصر جملوں میں اشارہ کیا ہے، جس کی وجہ سے افتاء کے طالب علم کے لیے ان متون کا سمجھنا مشکل امر ہے، اسی لئے اہل علم نے ان متون کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں اور ان میں ایسے باریک مسائل کو بطور خاص نہایت واضح اور سہل انداز میں پیش کیا ہے، لہذا شروح اور فتاوی میں تعارض ہونے کی صورت

میں شروح کے مسائل کو فتاوی کے مسائل پر ترجیح دی جائیگی۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۳۲، ۱۳۳)

چھٹا اصول: فقہی کتابیں اصولی کتابوں پر مقدم ہوں گی

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ اصول فقہ کے مصنفین کسی اصول کی تشریح کرتے ہوئے فقہ کا کوئی مسئلہ بطور مثال کے ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے طالب علم کے لئے اصول فقہ کی ان اصطلاح کو سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے، لہذا اگر اصول فقہ میں مذکور مسئلہ کا فقہی کتابوں سے تعارض ہو جائے تو اس صورت میں فقہی کتابیں راجح ہوں گی، کیوں کہ اصولی کتابوں میں مسائل کا ذکر ضمنا اور تبعا کیا جاتا ہے، جب کہ فقہی کتابوں میں ان کا تذکرہ اصلا اور مستقلا کیا جاتا ہے اور مسئلہ کی تحقیق ہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے۔

(عمدة الرعایہ: ۱/ ۵۳، المذہب الحنفی: ۱/ ۲۶۴)

دلیل کی بنیاد پر ترجیح کے پانچ (۵) اصول

فقہ حنفی کے مختلف فیہ اقوال میں سے کسی قول کو بسا اوقات دلائل کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے کہ بعض اقوال کی بنیاد قوی دلیل پر ہوتی ہے، جبکہ بعض اقوال کی دلیل کمزور ہوتی ہے، نیز بعض اقوال کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے جب کہ بعض اقوال کی کوئی دلیل ہی نہیں ہوتی ہے، لہذا فتوی دیتے وقت درج ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی:

پہلا اصول: جب ایک قول کی بنیاد مشہور حدیث ہو

جب مختلف فیہ اقوال میں سے ایک قول کی بنیاد صحیح اور مشہور و معروف حدیث ہو اور دوسرے قول کی بنیاد کسی ضعیف یا مرجوح روایت پر ہو یا اس قول کے موافق سرے سے کوئی حدیث ہی نہ ہو تو اول الذکر قول راجح اور مقدم ہوگا اور ضعیف روایت پر مبنی قول پر فتوی دینا جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی نے شرح

منیۃ المصلی میں، علامہ احمد بن محمود الغزنوی نے الحاوی القدسی میں اور علامہ شامی نے شرح عقود رسم المفتی میں اس کی صراحت کی ہے۔(شرح عقود رسم المفتی: ۹٤)

دوسرا اصول: مجتہد کا جو قول بظاہر حدیث کے خلاف ہو

جب فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بظاہر صحیح حدیث کے خلاف ہو اور مذہب پر عمل کرنے کی وجہ سے حدیث کا ترک لازم آرہا ہو تو وہ حدیث ہی فقہ حنفی کا مذہب ہوگا اور حدیث پر عمل کی وجہ سے کوئی حنفی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب سے خارج نہیں ہوگا، کیوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ سے صحیح سند سے یہ بات مروی ہے کہ انھوں نے متعدد بار یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب میرا قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو وہی میرا مذہب ہوگا اور میرے قول کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی''اور کبھی فرمایا کہ ''جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے''، لہٰذا مجتہد کے لیے اس قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا لازم ہوگا، لیکن یہ حکم صرف اس مفتی کے لئے ہے جو نصوص میں غور وفکر کی اہلیت رکھتا ہو اور محکم و منسوخ کو پہچانتا ہو، نیز یہ اجازت اس صورت میں ہے جبکہ اس حدیث کے مطابق احناف میں سے کسی نہ کسی فقیہ کا قول بھی ہو، اس لئے کہ بعد کے علماء کو ایسے اجتہاد کی اجازت نہیں دی گئی ہے جس میں وہ مذہب سے بالکلیہ خارج ہو جائے، کیوں کہ بعد کے علماء کا اجتہاد گزشتہ متقدمین فقہاء کے اجتہاد سے قوی تر نہیں ہوسکتا، پس ظاہر بات یہ ہے کہ گزشتہ متقدمین فقہاء نے اپنے قول کی بنیاد اس سے زیادہ قوی دلیل پر رکھی ہوگی، لیکن اس عالم کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۹٤،۹۵)

تیسرا اصول: استحسان کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوگی

جب کسی مسئلہ میں قیاس اور استحسان دونوں جمع ہو جائیں، یعنی متعارض اقوال میں سے ایک قول کی بنیاد استحسان پر اور دوسرے قول کی بنیاد قیاس پر ہو، تو چند مسائل کو چھوڑ کر تمام مسائل میں استحسان والے قول کو قیاس والے قول پر ترجیح دی جائے گی، اس لئے کہ

قوت دلیل کے اعتبار سے قیاس کے مقابلہ میں استحسان راجح ہوتا ہے، پس اسی پر عمل کرنا لازم ہوگا، واضح ہو کہ صاحب تلویح علامہ مسعود بن عمر تفتازانی کے نزدیک قیاس پر استحسان کی ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کو بالکل ترک کر کے استحسان پر عمل کرنا متعین ہوگا اور قیاس پر عمل کرنا جائز ہی نہیں ہوگا، جب کہ علامہ فخر الاسلام بزدوی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کے مقابلہ میں استحسان پر عمل کرنا اولی ہوگا اور قیاس پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۲۸،۱۳۰)

چوتھا اصول: ترجیح صریح کو ترجیح التزامی پر مقدم کیا جائے گا

اصحاب الترجیح جب کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں تو وہ ترجیح کبھی صراحتا ہوتی ہے اور کبھی التزاما ہوتی ہے، صریح ترجیح سے مراد ایسی ترجیح ہے جو واضح اور صریح الفاظ جیسے **هو الصحيح، هو الاصح، به يفتى** اور **عليه الفتوى** وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور التزامی ترجیح سے مراد ایسی ترجیح ہے جو صریح الفاظ سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس پر مؤلف کتاب یا کسی مفتی کا مخصوص و معروف طرز دلالت کرتا ہے، لہذا ترجیح صریح اور ترجیح التزامی میں تعارض کے وقت ترجیح صریح کو ترجیح التزامی پر مقدم کیا جائے گا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۵،۱۳۷،اصول الافتاء و آدابہ:۲۱۹)

پانچواں اصول: مصنفین کے اسلوب کی پیروی کرنا لازم ہے

اکثر و بیشتر مصنفین کا اسلوب یہ ہے کہ وہ مختلف اور متعارض اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح کے لئے کبھی کبھی تو الفاظ صریح کا استعمال کرتے ہیں، مگر عموما اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے راجح قول کی تعیین کے لئے کوئی منفرد اسلوب اور مخصوص طرز اختیار کرتے ہیں اور پوری کتاب میں وہ اسی منہج پر قائم رہتے ہیں، لہذا مختلف فیہ مسائل میں راجح قول کی تعیین کے لئے ان کے اس اسلوب خاص کی پیروی کرنا لازم ہوگا اور وہ اسلوب خاص درج ذیل ہیں:

پہلا اسلوب: راجح قول کو مقدم کرنا

بعض مصنفین کا اسلوب یہ ہے کہ متعارض اقوال میں سے جو قول ان کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہوتا ہے وہ اس قول کو پہلے بیان کرتے ہیں اور غیر راجح اور غیر مفتی بہ قول کا ذکر بعد میں کرتے ہیں، جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاوی کے شروع میں کہا ہے کہ جس مسئلہ میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں میں نے ان میں سے صرف ایک یا دو قول پر اکتفا کیا ہے اور جو زیادہ ظاہر اور مشہور ترین قول ہے اس کو میں نے مقدم کیا ہے، نیز علامہ ابراہیم بن محمد حلبی کا بھی یہی اسلوب ہے کہ وہ اپنی کتاب ملتقی الابحر میں قابل اعتماد قول کو دوسرے اقوال سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۵،اصول الافتاء و آدابہ:۲۱۹،۲۲۰)

دوسرا اسلوب: راجح قول کی دلیل کو مؤخر کرنا

بعض مصنفین کا اسلوب یہ ہے کہ متعارض اقوال میں سے جو قول ان کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے وہ اس قول کی دلیل پہلے بیان کرتے ہیں اور جو قول ان کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہوتا ہے وہ اس قول کی دلیل بعد میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پہلے قول کی دلیل کا جواب بھی ہو جاتا ہے، جیسے امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی کا ہدایہ میں اور شمس الائمہ سرخسی کا اپنی مایۂ ناز کتاب مبسوط میں یہی اسلوب ہے کہ وہ قولِ راجح کی دلیل بعد میں ذکر کرتے ہیں، لہذا ان کتابوں میں کسی قول و روایت کی دلیل کا بعد میں ہونا اس قول کے راجح اور مفتی بہ ہونے کی علامت ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۵،۱۳۶،اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۰)

تیسرا اسلوب: صرف راجح قول کی دلیل ذکر کرنا

بعض مصنفین کا طرز یہ ہے کہ وہ مختلف اقوال میں سے صرف اسی قول کی دلیل بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہوتا ہے، غیر راجح قول کو وہ قابل اعتناء نہیں

سمجھتے ہیں اسی لئے اس کی دلیل بھی بیان نہیں کرتے ہیں، لہذا جب متعارض اقوال میں سے صرف ایک قول کی دلیل ذکر کی جائے اور دوسرے اقوال کے دلائل کا تذکرہ نہ کیا جائے تو دلیل والا قول ہی راجح اور مفتی بہ ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۶،اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۰)

چوتھا اسلوب: غیر راجح اقوال کی تردید کرنا

بعض مصنفین کا اسلوب یہ ہے کہ جو قول ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس سے بالکل تعرض نہیں کرتے ہیں، لیکن جو قول ان کے نزدیک راجح نہیں ہوتا ہے وہ اس قول کی دلیل نقل کرنے کے بعد اس دلیل کی تردید بھی کر دیتے ہیں، لہذا متعارض اقوال میں سے اگر کسی قول کی دلیل سرے سے بیان نہ کی جائے اور دوسرے قول کی دلیل بیان کرنے کے بعد اس کو رد کر دیا جائے تو بغیر دلیل والا قول ہی راجح ہوگا۔

(اصول الافتاء و آدابہ للعثمانی:۲۲۰)

پانچواں اسلوب: جب کسی مسئلہ میں تین اقوال ہوں

جب کسی مسئلہ میں تین متعارض اقوال ہوں تو اصولی اعتبار سے پہلا یا تیسرا قول راجح ہوگا، درمیان والا قول راجح نہیں ہوگا، لیکن اگر کسی مصنف کی عادت یہی ہو کہ وہ راجح قول کو درمیان میں ذکر کرتے ہوں تو پھر ان کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، جیسا کہ علامہ نسفی نے المستصفی میں اور علامہ شامی نے رسم المفتی میں اس کی صراحت کی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۶)

الفاظ ترجیح کی بنیاد پر ترجیح کے دس (۱۰) اصول

فقہ حنفی کے مختلف فیہ اقوال میں سے کسی قول کے ترجیح کی بنیاد بسا اوقات وہ الفاظ و علامات ہوتی ہیں جن کو فقہاء حضرات اپنی کتابوں میں کسی قول کے صحت کی صراحت یا کسی قول کے مفتی بہ ہونے کی جانب اشارہ کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں، مثلاً اگر کوئی فقیہ کسی

قول کے صحت کی صراحت لفظ فتوی کے ذریعہ کرے اور دوسرا فقیہ اس کے مخالف قول کے صحت کی صراحت لفظ صحیح کے ذریعہ کرے تو اول الذکر قول کا راجح ہونا قرین قیاس ہے، کیوں کہ کسی قول کا مفتی بہ ہونا اس کے صحیح ہونے کی بھی علامت ہوتی ہے، لیکن ہر صحیح قول مذہب کا مفتی بہ قول نہیں ہوسکتا، لہذا فتوی دیتے وقت درج ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی:

پہلا اصول: جب تصحیح اجماعی الفاظ سے ہو

جب دو متعارض روایتوں کی تصحیح کے لئے مختلف الفاظ ترجیح استعمال کئے جائیں، مثلا ایک قول کی ترجیح لفظ فتوی وغیرہ سے اور دوسرے قول کی ترجیح **علیہ عمل الأمۃ** یا **علیہ توارث العلماء والمسلمین** یا ان جیسے دیگر الفاظ سے کی جائے تو ثانی الذکر قول راجح ہوگا، اس لئے کہ ان الفاظ میں اجماع کا معنی پایا جاتا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی بتغییر:۱۴۲)

دوسرا اصول: جب کسی قول کی تصحیح لفظ فتوی سے کی جائے

جب کسی مسئلہ کی تصحیح وترجیح کی بابت اصحاب الترجیح میں اختلاف ہوجائے اور ایک طرف لفظ فتوی اور دوسری طرف دیگر الفاظ ترجیح ہوں تو جس قول کی ترجیح فتوی اور اس سے مشتق الفاظ (مثلا بہ یفتی، علیہ الفتوی، الفتوی علیہ) سے کی جائے وہی قول راجح ہوگا، کیوں کہ کسی قول کا مفتی بہ ہونا اس کے صحیح اور مذہب کا معتمد قول ہونے کی نشانی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۴۳)

تیسرا اصول: جب دونوں اقوال کی ترجیح لفظ فتوی سے ہو

جب کسی مختلف فیہ مسئلہ میں دونوں اقوال کی تصحیح کے لئے لفظ فتوی کا استعمال کیا گیا ہو تو اگر دونوں طرف یکساں الفاظ ہوں، مثلا دونوں طرف **بہ یفتی** ہو تو مفتی جس قول پر چاہے فتوے دے سکتا ہے اور اگر دونوں طرف مختلف الفاظ ہوں تو جس طرف حصر کے ساتھ لفظ فتوی مذکور ہو وہی قول راجح ہوگا، مثلا ایک طرف بہ یفتی یا علیہ الفتوی ہو اور دوسری طرف

الفتوی علیہ ہوتو اول الذکر قول راجح ہوگا، کیوں کہ یہ دونوں الفاظ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ فتوی صرف اسی قول میں منحصر ہے، دوسرے قول پرفتوی دینا جائز ہی نہیں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱٤۲)

چوتھا اصول: جب تصحیح کرنے والے علماء کا درجہ ایک ہو

جب کسی مسئلہ کی تصحیح وترجیح کی بابت اصحاب الترجیح میں اختلاف ہوجائے اور دونوں اقوال کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی گئی ہو، مثلا دونوں طرف **ھو الصحیح یا ھو الاصح** وغیرہ کے الفاظ ہوں اور تصحیح کرنے والے فقہاء کی علمی حیثیت بھی یکساں ہوتو فتوی دینے کے سلسلہ میں مفتی کو اختیار رہوگا، وہ دونوں میں سے جس قول پر چاہے فتوی دے سکتا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱٤۲)

پانچواں اصول: جب تصحیح کرنے والے کے درجہ میں تفاوت ہو

جب کسی مسئلہ کی تصحیح وترجیح کی بابت اصحاب الترجیح میں اختلاف ہوجائے اور دونوں اقوال کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی گئی ہو، مگر تصحیح کرنے والے علماء میں سے ایک کا درجہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتو اونچے درجہ کے فقیہ کی تصحیح کا اعتبار کیا جائے گا، مثلا جب کسی مسئلہ کی تصحیح میں قاضی خان اور صاحب بزازیہ کا اختلاف ہوجائے تو قاضی خان کی تصحیح راجح ہوگی، کیوں کہ صاحب بزازیہ کے مقابلہ میں قاضی خان اونچی شان والے ہیں، اسی طرح شمس الائمہ سرخسی کی ترجیح امام ابوعلی نسفی کی ترجیح پر مقدم ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱٤۲)

چھٹا اصول: جب کسی قول کی تصحیح لفظ صحیح اور اصح سے کی جائے

جب دو متعارض اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح لفظ صحیح اور دوسرے قول کی تصحیح لفظ اصح سے کی جائے اور دونوں اقوال دو مختلف کتابوں میں مذکور ہوں اور ترجیح دینے والے علماء بھی مختلف ہوں تو کون سا قول راجح ہوگا؟ اس بابت علماء کا اختلاف ہے: بعض حضرات

فرماتے ہیں کہ جس طرف لفظ صحیح ہو وہی قول راجح ہوگا، کیوں کہ ایک قول کی طرف ھو الصحیح کا لفظ ہونا اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ دوسرا قول اس امام کی نظر میں فاسد ہے، جبکہ دوسرے قول کی طرف ھو الاصح کا لفظ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا مقابل قول امام کی نظر میں فاسد نہیں بلکہ صحیح ہے، لہذا جس قول کی صحت پر دونوں کا اتفاق ہو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا، لیکن مذہب کا مشہور اور معتبر قول یہ ہے کہ اصح والا قول ہی راجح ہوگا اس لئے کہ اصح کا مقابل ہمیشہ صحیح قول نہیں ہوتا بلکہ فاسد قول بھی ہوتا ہے، پس جس قول کی ترجیح لفظ اصح سے کی جائے وہی قول مقدم اور مفتی بہ ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٢، ١٤٣)

ساتواں اصول: ایک ہی امام کا ایک قول کو صحیح اور دوسرے کو اصح کہنا

جب اصحاب الترجیح میں سے کوئی فقیہ دو متعارض اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح لفظ صحیح اور دوسرے قول کی تصحیح لفظ اصح سے کریں، یا دونوں متعارض اور تصحیح شدہ اقوال ایک ہی کتاب میں مذکور ہوں تو ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق اصح والے قول کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ جس طرف لفظ اصح ہے وہ اس مجتہد کے نزدیک صحت کے اعتبار سے دوسرے قول سے بڑھا ہوا ہے اور یہاں صحیح کا مقابل کوئی فاسد قول نہیں ہے، بلکہ صحیح کا مقابل اصح قول ہے، لیکن اگر اس مسئلہ میں کوئی تیسرا قول بھی موجود ہو تو پھر وہی اختلاف یہاں بھی ہوگا جس کا بیان چھٹے اصول میں ہوا، لیکن مشہور قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی اصح کو ترجیح ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٢، ١٤٣)

آٹھواں اصول: جب کوئی مصنف کسی ایک کی تصحیح کو اصح قرار دے

جب دو متعارض اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح لفظ صحیح اور دوسرے قول کی تصحیح لفظ اصح سے ہوئی ہو اور اس مسئلہ کو کوئی مصنف اپنی کتاب میں ذکر کرنے کے بعد ان میں سے کسی ایک کی تصحیح کو دوسرے کی تصحیح سے اصح قرار دے تو یہاں بالاتفاق وہی قول راجح ہوگا

جس کو اس مصنف نے اصح قرار دیا ہو، خواہ اس نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہو جو ان سے پہلے والے فقیہ کی نظر میں محض صحیح تھا، اصح نہیں تھا یا اس نے اس قول کو اصح قرار دیا ہو جو ان سے پہلے والے فقیہ کی نظر میں اصح تھا۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٢، ١٤٣)

نواں اصول: جب ایک طرف اسم تفضیل والے الفاظ ترجیح ہوں

جب دو متعارض اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح ایسے الفاظ سے کی جائے جو اسم تفضیل کے وزن پر ہوں اور دوسرے قول کی تصحیح ایسے الفاظ سے نہ کی جائے تو اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی جس کی صحت کے لئے اسم تفضیل والے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں، مثلاً ایک قول کی تصحیح **هو الاشبه، هو الارفق، هو الاليق اور هو الاصلح لزمانه** وغیرہ سے کی جائے اور دوسری طرف ایسے الفاظ نہ ہوں تو پہلے قول پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٢، ١٤٣)

دسواں اصول: جب صرف ایک قول کی تصحیح کی جائے

جب دو متعارض اقوال میں سے صرف ایک قول کی تصحیح کی جائے اور تصحیح کے لئے هو الاصح، هو الارفق، هو الاحوط وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہوں اور دوسرے قول کے صحیح یا فاسد ہونے کی کوئی صراحت نہ ہو تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہوگا، کیوں کہ یہاں ترجیح و تصحیح میں تعارض کی کوئی بات ہی نہیں ہے، مگر پہلے والے قول پر عمل کرنا بہتر ہے، کیوں کہ ایک قول کے ساتھ ان جیسے الفاظ کا ہونا اس قول کے اہم اور زیادہ صحیح ہونے کی علامت ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٢، ١٤٣)

تیسرا اصول

مشائخ کی ترجیحات میں تطبیق کے چودہ (۱۴) اصول

فقہ حنفی کے بیشتر اختلافی مسائل ایسے ہیں جن کی تصحیح وترجیح کی بابت خود اصحاب الترجیح کے مابین اختلاف ہے اوراسی وجہ سے آپ بے شمار مسائل ایسے دیکھیں گے جن میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں اوران میں سے ہر قول کی تصحیح بھی کی گئی ہے، چنانچہ ایک فقیہ نے ایک قول کو صحیح قرار دیا ہے تو دوسرے فقیہ نے اس کے مخالف قول کو اصح قرار دیا ہے، ایک فقیہ نے ایک قول کے ساتھ لفظ صحیح کا استعمال کیا ہے تو دوسرے فقیہ نے دوسرے قول کے ساتھ لفظ فتوی کا استعمال کیا ہے، لہذا ایسی صورتوں میں مفتی کے لئے نہایت تدبر اور باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے اور فتوی دیتے وقت درج ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی، واضح ہو کہ درج ذیل اصولوں میں سے چند اصولوں کو چھوڑ کر تمام اصولوں کا بیان مختلف عنوان کے تحت تفصیل سے پیچھے آچکا ہے، اس لئے یہاں اختصار کے ساتھ ان کو بیان کیا جائے گا۔

پہلا اصول: اصح صحیح کے مقابلہ میں راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح کے لیے **ھو الصحیح** اور دوسرے قول کی تصحیح کے لیے **ھو الاصح** کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو مشہور قول کے مطابق اصح والے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ (شرح عقود رسم المفتی: ١٤٥)

دوسرا اصول: فتوی والا قول صحیح کے مقابلہ میں راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح کے لئے فتوی اور اس سے مشتق الفاظ استعمال کئے گئے ہوں اور دوسرے قول کی تصحیح کے لیے دیگر الفاظ تصحیح مثلا **ھو الصحیح، ھو الاصح، ھو الاحوط** جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو تو فتوی والے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ (شرح عقود رسم المفتی: ١٤٥)

تیسرا اصول: امام اعظم کا قول راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک امام اعظم کا قول ہو اور دوسرا قول صاحبین یا امام اعظم کے دیگر اصحاب کا ہو اور تصحیح کے لئے ایک ہی طرح کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں، نیز تصحیح کرنے والے کا علمی مقام بھی یکساں ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کو ان کے اصحاب اور صاحبین کے قول پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٥)

چوتھا اصول: ظاہر الروایہ کا قول راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ہر قول کی تصحیح کے لیے ایک ہی طرح کے الفاظ تصحیح استعمال کئے گئے ہوں، نیز تصحیح کرنے والے کا علمی مقام بھی یکساں ہو اور ایک قول ظاہر الروایہ میں اور دوسرا قول غیر ظاہر الروایہ میں ہو تو ظاہر الروایہ کا قول دیگر اقوال کے مقابلہ میں راجح ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٥)

پانچواں اصول: متون کا قول شروح کے مقابلہ میں راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ہر قول کی تصحیح کے لیے ایک ہی طرح کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں، نیز تصحیح کرنے والے کا علمی مقام بھی یکساں ہو اور ایک قول متون اور دوسرا قول شروح وفتاوی میں ہو تو متون والے قول کو شروح اور فتاوی کے قول پر ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ متون کے مصنفین نے صحیح قول لکھنے کا التزام کیا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٥)

چھٹا اصول: اکابر فقہاء کا قول راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی صحت پر اکابر اور مشہور ومعروف فقہاء مثلاً امام طحاوی، امام سرخسی اور امام ابواللیث سمرقندی وغیرہ کا اتفاق ہو اور دوسرے قول

پران سے کمتر درجہ کے فقہاء کا اتفاق ہو تو اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی جس کی صحت پر اکابر فقہاء کا اتفاق ہے۔(شرح عقود رسم المفتی:١٤٥)

ساتواں اصول: استحسان قیاس پر راجح ہوگا

دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے جس قول کی بنیاد استحسان پر ہوگی اس قول کو قیاس والے قول پر ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ قیاس کے مقابلہ میں استحسان کے اندر زیادہ قوت ہوتی ہے، پس اسی کو ترجیح حاصل ہوگی، لیکن چند مسائل ایسے ہیں جہاں استحسان کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا جائے گا۔(شرح عقود رسم المفتی:١٤٥)

واضح ہو کہ راجح قیاسی مسائل کی تعداد علامہ ناطفی کی الاجناس میں ۱۱/ بیان کی گئی ہے، جبکہ امام نجم الدین النسفی کے یہاں ایسے مسائل کی تعداد ۲۲/ ہے۔(ایضا:١٢٩)

نوٹ: حضرت اقدس مفتی سلمان منصور پوری نے انتہائی تحقیق اور تلاش بسیار کے بعد فتوی نویسی کے رہنما اصول (صفحہ ۲۳۴ تا ۲۵۴) میں ان مسائل کی تعداد ۲۶/ بیان کی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دل نشیں وضاحت بھی کی ہے۔

آٹھواں اصول: انفع للوقف والا قول راجح ہوگا

دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر کوئی قول واقف، موقوف علیہم اور خود شیء موقوف کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اور دوسرے قول میں یہ نفع موجود نہ ہو تو انفع للوقف والا قول راجح اور مفتی بہ ہوگا۔(شرح عقود رسم المفتی:١٤٦)

نواں اصول: سہولت والا قول راجح ہوگا

دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر ایک قول میں لوگوں کے لئے سہولت اور آسانی ہو اور دوسرے قول میں لوگوں کے لئے حرج اور تنگی ہو تو شریعت کے مزاج و مذاق کی رعایت کرتے ہوئے اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی جس میں آسانی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٤٦،اصول الافتاء و آدابه:٢٢٦)

دسواں اصول: قوی دلیل پر مبنی قول راجح ہوگا

جب دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے ایک قول کی بنیاد صحیح اور مشہور و معروف حدیث پر ہو اور دوسرے قول کی بنیاد سرے سے کسی حدیث ہی پر نہ ہو یا کسی ضعیف سند والی حدیث پر اس کی بنیاد ہو تو ترجیح اس قول کو حاصل ہوگی جس کی بنیاد مضبوط دلیل پر ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی:۹۴،۱۴۶،اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۶)

گیارہواں اصول: انفع للفقراء کا قول راجح ہوگا

زکوۃ کے باب میں اگر دو مختلف اقوال کو ایک ہی طرح کے الفاظ سے ترجیح دی گئی ہو اور ترجیح دینے والے فقہاء کی علمی حیثیت بھی برابر ہو تو اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی جو فقراء و مساکین کے لیے زیادہ مفید ہو۔(اصول الافتاء وآدابہ بتغییر:۲۲۶)

بارہواں اصول: حدود کو ساقط کرنے والا قول راجح ہوگا

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر ہر قول کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی جائے اور تصحیح کرنے والے علماء کا مقام و مرتبہ بھی یکساں ہو تو ان میں سے جو قول حدود شرعیہ کو ساقط کرنے والا ہو اس کو دوسرے قول پر ترجیح حاصل ہوگی، اس لیے کہ شبہات کی بناء پر حدود شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں۔(اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۶)

تیرہواں اصول: حرمت والا قول راجح ہوگا

متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر ہر قول کی تصحیح ایک ہی جیسے الفاظ سے کی جائے اور تصحیح کرنے والے علماء کا مقام و مرتبہ بھی یکساں ہو تو ان میں سے جس قول میں حرمت کا پہلو ہو اس قول کو حلت والے قول پر ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: جب حلال و حرام کا اجتماع ہو جائے تو حرمت والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

(اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۶)

چودہواں اصول: مصلحت پر مبنی قول راجح ہوگا

دو متعارض تصحیح شدہ اقوال میں سے اگر ہر قول کی تصحیح یکساں الفاظ سے کی گئی ہو اور تصحیح کرنے والے علماء کا رتبہ بھی برابر ہو تو اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی جس کی بنیاد مصلحت اور عرف وغیرہ پر ہو، چنانچہ الاشباہ میں بزازیہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ مفتی اس قول پر فتوی دے گا جس میں کوئی مصلحت ہو۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۶۹)

مشائخ کی ترجیحات میں تطبیق سے متعلق ایک اہم فائدہ

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب اپنی مایۂ ناز کتاب ''اصول الافتاء وآدابہ'' میں فرماتے ہیں کہ ان تمام وجوہ ترجیح کو فقہاء نے بیان کیا ہے اور وہ ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیے ان کا استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن یہ سب ایسے قواعد کلیہ نہیں ہیں کہ ان پر تمام حالات میں عمل کیا جاسکے، اس لئے کہ بسا اوقات خود ان مرجحات کے مابین تعارض ہو جاتا ہے، بایں طور کہ اسباب ترجیح میں سے کوئی سبب ایک قول کی ترجیح چاہتا ہے اور دوسرا سبب دوسرے قول کی ترجیح چاہتا ہے (مثلاً کسی قول کا ظاہر الروایہ میں ہونا اس کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے مقابل دوسرے قول کا امام صاحب کا قول ہونا اس قول کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے، اب کس سبب کی بنیاد پر ان اقوال کو ترجیح دی جائے گی یہ ایک مشکل امر ہے) لہذا! اس صورت میں ایسا قاعدہ کلیہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے جس پر ہر جگہ عمل کیا جاسکے، تو ایسی مثالوں میں معاملہ مفتی کے ذوق صحیح اور ملکۂ فقہیہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو ان متعارض وجوہ ترجیح میں سے ایک کا انتخاب کر لیتا ہے، بسا اوقات مفتی اس امر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ سد ذرائع ہو تو وہ احتیاط والے قول پر فتوی دیتے ہیں اور کبھی مفتی کے سامنے ایسا مسئلہ آتا ہے جس میں ابتلاء عام ہوتا ہے تو وہ اس قول پر عمل کرتے ہیں جس میں لوگوں کے لیے سہولت ہوتی ہے۔(اصول الافتاء و آدابہ:۲۲۶)

چوتھا اصول

معتبر کتابوں سے فتوی دینا

فقہ حنفی کی بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں ظاہر الروایہ اور غیر ظاہر الروایہ، اقوی اور قوی، صحیح اور غیر صحیح، راجح اور غیر راجح الغرض ہر قسم کے اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے، ان کتابوں میں کوئی ایسی علامت بھی مذکور نہیں ہے جس سے ان اقوال کے مابین صحت وفساد اور قوت وضعف کے اعتبار سے تمیز کیا جاسکے، اس کے برعکس بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کے مصنفین نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں صرف ظاہر الروایہ اور مذہب کے صحیح ومعتمد قول کو نقل کرتے ہیں اور جہاں ضعیف قول لکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے ضعف کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں، لہذا فتوی دیتے وقت مفتی کے لئے اس بات سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے کہ جس کتاب سے وہ فتوی دے رہا ہے فقہ حنفی میں اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ علماء نے اس کو معتبر کتابوں میں شمار کیا ہے یا اسے غیر معتبر قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جب تم اس بات کو جان لیے ہو کہ راجح قول کی پیروی کرنا واجب ہے اور ترجیح دینے والوں کے احوال سے بھی واقف ہو چکے ہو، تو یہ بھی جان لو کہ ہمارے زمانہ کے اکثر لوگ جو متاخرین کی کتابوں میں سے محض ایک کتاب کی طرف مراجعت کر کے فتوی دیدیتے ہیں تو اس فتوی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، خاص طور سے جب وہ کتاب غیر معتبر ہو، جیسے کہ علامہ قہستانی کی شرح النقایہ، علامہ حصکفی کی الدرالمختار، علامہ ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر اور ان جیسی کتابیں، کیوں کہ عبارتوں کے انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے یہ کتابیں ایک معمہ بن گئی ہیں، نیز ان کتابوں میں بہت سے مقامات پر عبارت نقل کرنے میں غلطی بھی ہوئی ہے، (بعض مسائل میں) مرجوح قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان اقوال کو بھی راجح قرار دیا گیا ہے جس کا ہمارے مذہب کے ائمہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی: ۵۴)

پانچواں اصول

غیر معتبر کتابوں سے فتوی دینا

جس کتاب کو کسی سبب اور علت کی بنیاد پر غیر معتبر قرار دیا جائے اور بعد میں وہ علت ختم ہو جائے تو پھر اس سے فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً جس کتاب کو اس کے نایاب ہونے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا جائے اور بعد میں اس کا صحیح اور ثابت نسخہ مل جائے تو اب وہ کتاب معتبر ہو جائے گی اور اس سے فتوی دینا جائز ہوگا، اسی طرح جس کتاب کو اس کے مصنف کے احوال مجہول ہونے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا جائے اور بعد میں اس مصنف کی علمی حالت سے لوگ آشنا ہو جائیں تو اب ان کی کتاب سے فتوی دینا جائز ہوگا، اسی طرح جن کتابوں کو غیر معمولی اختصار کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا جائے اور اسی کتاب میں کسی مسئلہ کی بابت خوب تفصیل موجود ہو تو صرف اس مسئلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ کتاب معتبر ہوگی، نیز غیر معتبر کتابوں کا مصدر و ماخذ مل جائے تو اس سے فتوی دینا جائز ہوگا۔

شیخ صالح الجنینی فرماتے ہیں:

غیر معتبر کتابوں سے فتوی دینا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے مصدر (یعنی جس کتاب سے اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے اس) کا علم ہو جائے اور اس کے ماخذ (یعنی جس کتاب سے اس مسئلہ کو اخذ کیا گیا ہے اس) سے واقفیت ہو جائے۔

(شرح عقود رسم المفتی:٥٦)

علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

غیر معتبر کتابوں میں جو مسائل مذکور ہیں اگر وہ معتبر فقہی کتابوں کے موافق ہوں تو ان پر عمل کریں گے ورنہ انھیں ترک کر دیں گے، نیز ان مسائل کا اگر ماخذ مل جائے تو ان پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ علت ختم ہو جائے جس کی وجہ سے وہ

کتاب غیر معتبر ہوئی تھی تو اب وہ کتاب معتبر ہو جائے گی۔(عمدة الرعایه: ۶۳/۱)

کتابوں کے غیر معتبر ہونے کے دس (۱۰) اسباب

فقہ حنفی میں کسی کتاب کے غیر معتبر ہونے کے درج ذیل اسباب ہوتے ہیں:

پہلا سبب: مؤلف کا مجہول ہونا

بعض کتابوں کو ان کے مصنفین کے اسماء کے مجہول ہونے اور ان کی علمی لیاقت کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ ملا مسکین کی شرح الکنز ،علامہ قہستانی کی جامع الرموز فی شرح النقایه اور قاضی جکن کی خزانة الروایات غیر معتبر کتابیں ہیں، کیوں کہ ان تینوں مصنفین کا علمی مقام مشہور و معروف نہیں ہے۔

(حاشیه رسم المفتی:۵۵،عمدة الرعایه:۴۹،المذهب الحنفی:۲۳۵/۱)

دوسرا سبب: کتاب کا ضعیف روایات پر مشتمل ہونا

بعض مصنفین ایسے ہیں جن کے علمی مراتب سے سبھی حضرات واقف ہیں، لیکن وہ اپنی کتابوں میں صحیح اقوال لکھنے کا التزام نہیں کرتے ہیں، بلکہ ہر طرح کی روایات واقوال کو جمع کر دیتے ہیں، لہذا فتوی دینے کے حق میں ان کی کتابیں غیر معتبر ہوں گی، چنانچہ علامہ زاہدی کی قنیة المنیه، علامہ ابوبکر بن علی الحداد کی ألسراج الوهاج ألموضح لکل طالب و محتاج اور علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب صوفی کی ألفتاوی الصوفیه غیر معتبر کتابیں ہیں، کیوں کہ ان کتابوں میں بہت سے مقامات پر ضعیف اقوال نقل کئے گئے ہیں اور ان کے ضعف کی جانب اشارہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

(اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۰،المصباح للراشدی:۴۵۵،المذهب الحنفی:۲۲۸/۱)

تیسرا سبب: عبارت کا انتہائی مختصر ہونا

بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی عبارتیں اس قدر مختصر ہیں کہ بسا اوقات مفتی کے لئے

ان عبارتوں کا سمجھنا انتہائی مشکل امر ہو جاتا ہے اور عبارات کے صحیح مفاہیم تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے، لہذا ایسی کتابیں غیر معتبر ہوں گی، چنانچہ علامہ عمر بن نجیم کی **ألنھر الفائق شرح کنز الدقائق**، علامہ بدرالدین عینی کی **رمز الحقائق شرح کنز الدقائق** اور علامہ علاءالدین حصکفی کی **ألدر المختار شرح تنویر الابصار** غیر معتبر کتابیں ہیں، اس لیے کہ ان کتابوں کی عبارتیں انتہائی مختصر اور کافی پیچیدہ ہیں، لہذا ان کتابوں سے فتوی دینا اس وقت جائز ہوگا جب عبارت مکمل طور پر سمجھ میں آجائے اور کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔

(اصول الافتاء للعثمانی:٢١٤، المصباح للراشدی:٤٦٠، المذہب الحنفی:١/٢٢٦)

چوتھا سبب: کتاب کو ضعیف قرار دینا

جس کتاب کو کوئی محقق فقیہ یا کوئی بڑا عالم دین کسی سبب کی بنیاد پر ضعیف قرار دیں تو وہ کتاب بھی غیر معتبر ہوگی، خواہ انھوں نے ہمارے سامنے کوئی سبب بیان کیا ہو یا نہیں، الا یہ کہ اس کے خلاف دوسرے فقیہ کی صراحت موجود ہو اور وہ رتبہ میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں تو پھر اس کتاب کو معتبر مانا جائے گا، چنانچہ علامہ فخر الدین یحیی بن عبداللہ رومی کی **مشتمل الأحکام فی الفتاوی الحنفیہ** غیر معتبر کتاب ہے، اس لئے کہ علامہ محمد بن پیر علی برکلی اور علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی نے اس کتاب کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(المذہب الحنفی:١/٢٢٦)

پانچواں سبب: مؤلف کا ضعیف ہونا

جس مصنف کو کوئی فقیہ کسی سبب کی بنیاد پر ضعیف قرار دیں تو ان کی تمام کتابیں غیر معتبر ہوں گی، لیکن اگر کسی دوسرے فقیہ نے ان کو معتبر مصنف قرار دیا ہو اور وہ دوسرا فقیہ علمی لحاظ سے پہلے سے بلند تر ہو تو پھر ان کی کتاب معتبر ہوگی، مثلا علامہ زاہدی کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ زاہدی ضعیف روایات کو نقل کرتے ہیں، لہذا جس مسئلہ کو وہ تنہا بیان کریں اس میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی، پس علامہ زاہدی کی **قنیۃ**

المنیہ غیر معتبر ہے، کیوں کہ علامہ شامی جیسے عظیم فقیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور کسی دوسرے فقیہ نے علامہ شامی کے قول کی تردید بھی نہیں کی ہے۔

(المذھب الحنفی: ۲۳۸/۱)

چھٹا سبب: کتاب کی نسبت میں شک ہونا

بعض کتابوں کو اس لئے غیر معتبر قرار دیا گیا ہے کہ جن مصنفین کی طرف وہ کتابیں منسوب ہیں ان کی طرف ان کتابوں کی نسبت میں شک ہے اور ان کتابوں کا انھیں مصنفین کی کتابیں ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، مثلاً **ألمخارج فی الحیل** غیر معتبر کتاب ہے کیوں کہ یہ کتاب گرچہ حضرت امام ابو یوسف کی طرف منسوب ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے، جیسا کہ **ألمذھب الحنفی** میں اس کی صراحت کی گئی ہے، نیز مکتبہ قاہرہ سے یہی کتاب امام محمد بن حسن شیبانی کے نام سے شائع ہوئی ہے، اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی طرف منسوب **الفتاوی العزیزیه** بھی غیر معتبر کتاب ہے، اس لئے کہ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب کے بقول یہ آپ کی تالیف نہیں ہے، بلکہ آپ کی وفات کے بعد ایک غیر معروف آدمی نے آپ کے فتاوی کو جمع کر دیا ہے اور اس نے اس کتاب میں ان فتاوی کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو حضرت دہلوی سے منقول نہیں ہیں۔

(المذھب الحنفی: ۲۳۹/۱، اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۶)

ساتواں سبب: کتاب کا فقہ کے علاوہ دیگر فنون میں ہونا

جن کتابوں میں فقہی مسائل کو ضمنی طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جیسے اصول تفسیر، شروح حدیث، اصول فقہ اور اس کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں کسی اصول کی وضاحت کرتے وقت فقہی مسائل کا تذکرہ ضمنا آجاتا ہے، تو اس مسئلہ کی بابت اسی کتاب سے فتوی دینے کی حیثیت سے وہ کتاب غیر معتبر ہوگی، چنانچہ علامہ بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری شرح

بخاری اور مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، نیز علامہ عبد اللطیف بن عبد العزیز بن ملک کی مبارق الازھار شرح مشارق الانوار سے فتوی دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کتابوں میں فقہی مسائل کا تذکرہ ضمنا اور تبعا آیا ہے، البتہ اگر وہ مسئلہ فقہی کتابوں میں بھی اسی طرح منقول ہو تو پھر اس سے فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(المذهب الحنفی:۱/ ۲۳۰،اصول الافتاء للعثمانی:۲۱۷)

آٹھواں سبب: کتاب کا نایاب ہونا

بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا نام متقدمین کی کتابوں میں ملتا ہے، لیکن ان کا مطبوعہ یا مخطوطہ نسخہ اب دستیاب نہیں ہے، لہذا مخطوطات پر تحقیقی نظر رکھنے والا کوئی عالم اگر کسی کتاب کو نایاب قرار دے تو پھر اس کتاب سے فتوی دینا جائز نہیں ہوگا، مگر یہ کہ اس کا مطبوعہ یا مخطوطہ نسخہ صحیح سند سے دستیاب ہو جائے، مثلا بعض فقہاء نے **المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی** سے فتوی دینے سے منع کیا تھا، اس لئے کہ اس وقت اس کا مخطوطہ یا مطبوعہ نسخہ دستیاب نہیں تھا، جیسا کہ علامہ ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی نے اس کی صراحت کی ہے، لیکن اب یہ کتاب شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی کے بھانجے مولانا نعیم اشرف نور احمد عثمانی کی تحقیق کے ساتھ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان سے ۲۵/جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس لئے اب اس سے فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(المذهب الحنفی:۱/ ۲۳۲،اصول الافتاء للعثمانی:۲۱۵)

نواں سبب: طباعت میں کثیر اغلاط کا ہونا

عصر حاضر میں کمپیوٹر کتابت کا رواج بہت بڑھ گیا ہے اور ٹائپنگ کرنے والے افراد عموما عالم یا محقق نہیں ہوتے ہیں، اس لئے کتابوں میں طباعت کی بہت سی اغلاط باقی رہ جاتی ہیں اور وہ غلطیاں ایک ایڈیشن سے دوسرے ایڈیشن میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، مصنف

کی ہزار خواہش اور تنبیہ کے باوجود کتب خانہ والے اپنے مفاد کے پیش نظر پہلا نسخہ ہی شائع کرتے رہتے ہیں، اس لئے اگر کسی کتاب میں طباعت کی بہت سی غلطیاں موجود ہوں تو وہ کتاب غیر معتبر ہوگی جب تک کہ اس کا دوسرا صحیح نسخہ نہ مل جائے۔

(المذہب الحنفی: ۲۳۳/۱، ۲۳۴)

دسواں سبب: کتابت کا واضح نہ ہونا

بعض مخطوطات ایسی ہیں جن کی کتابت واضح اور صاف نہیں ہے اور صحیح عبارت کی خواندگی انتہائی مشکل ہے، بالخصوص ایسی مخطوطات کی جب پی ڈی ایف فائل بنتی ہے اور انٹرنیٹ پر اس کو اپلوڈ کیا جاتا ہے تب تو اس کی خواندگی مزید مشکل اور پیچیدہ ہو جاتی ہے، خود بندہ کے موبائل میں ایسی بہت سی مخطوطات ہیں جن کی کتابت اس قدر غیر واضح ہے کہ صفحہ دو صفحہ پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لہذا ایسی کتابیں فتوی دینے کے حق میں غیر معتبر ہوں گی، مگر جب عبارت کی صحیح خواندگی کا یقین ہو جائے تو پھر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(المذہب الحنفی: ۲۳۴/۱)

چھٹا اصول

مفتی کا فقہاء کے طبقات سے واقف ہونا

علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان جو ابن کمال پاشا سے مشہور ہیں انھوں نے اپنے ایک رسالہ میں کہا ہے کہ مفتی مقلد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس شخص کے احوال سے واقف ہو جس کے قول پر وہ فتوی دے رہا ہے، اور ہماری مراد اس واقفیت سے اس کے نام ونسب اور شہری نسبت کو جاننا نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ مسائل نقل کرنے اور ان کے دلائل کو سمجھنے میں اس کے رتبہ کو جاننا اور فقہاء کے طبقات میں سے اس کے طبقہ کو جاننا ضروری ہے، تا کہ مختلف اقوال کے قائلین کے درمیان امتیاز کرنے پر اسے پوری بصیرت حاصل ہو اور دو متعارض اقوال میں ترجیح دینے پر اسے مکمل قدرت حاصل ہو۔

(المذهب الحنفی: ۱/ ۲۳۰، اصول الافتاء للعثمانی: ۲۱۷، المصباح للراشدی: ٤٦٦)

فقہاء احناف کے سات طبقات

علامہ ابن کمال پاشا کے نزدیک فقہاء احناف کے سات طبقات ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا طبقہ: مجتہدین فی الشرع رمجتہد مطلق

پہلا طبقہ ان فقہاء کرام کا ہے جو ادلۂ اربعہ سے براہ راست شرعی احکام کا استنباط کرتے ہیں، جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام مالک اور وہ فقہاء کرام جو اصول وفروع میں بغیر کسی کی تقلید کئے ہوئے اصولی قواعد کی بنیاد ڈالنے اور ادلۂ اربعہ سے فروعی احکام کو مستنبط کرنے میں ائمۂ اربعہ کے طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ: مجتہدین فی المذہب

دوسرا طبقہ ان فقہاء کرام کا ہے جو اپنے امام کے مذہب میں اجتہاد کرتے ہیں، جیسے

امام یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام ابو حنیفہ کے وہ سارے اصحاب جو اپنے استاذ کے مقرر کئے ہوئے قواعد کی روشنی میں ادلۂ اربعہ سے احکام کو مستنبط کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اصولی قواعد میں اپنے امام کی موافقت کرتے ہیں، گر چہ بعض فروعات میں اپنے امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: مجتہدین فی المسائل

تیسرا طبقہ ان فقہاء کا ہے جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں اصحاب مذہب سے کوئی قول مروی نہیں ہوتا ہے، جیسے امام احمد بن عمر خصاف، امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی، امام ابوالحسن عبید اللہ بن حسین کرخی، شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوانی، شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی، فخر الدین حسن بن منصور قاضی خان اور ان جیسے فقہاء کرام، یہ حضرات اصول وفروع میں اپنے امام کی مخالفت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں، لیکن جن میں مسائل میں اپنے امام سے کوئی صراحت نہیں پاتے ہیں تو اپنے استاذ کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں ان مسائل کے احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

چوتھا طبقہ: اصحاب التخریج

چوتھا طبقہ ان مقلدین کا ہے جو اجتہاد کی بالکل قدرت نہیں رکھتے ہیں، لیکن اصول کا احاطہ کرنے اور مسائل کے ماخذ کی یادداشت کی وجہ سے اپنی فطری صلاحیت اپنے امام کے اصول وقواعد میں غور وفکر اور ان جیسے ملتے جلتے مسائل و جزئیات پر قیاس کر کے ایسے دو صورتوں والے مجمل قول یا دو احتمال رکھنے والے حکم کی تفصیل بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جو قول اور حکم صاحب مذہب یا ان کے مجتہد شاگردوں میں سے کسی ایک سے منقول ہوتا ہے، جیسے حضرت امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی اور ان جیسے فقہاء کرام، ہدایہ کے بعض مقامات پر جو " کذا فی تخریج الکرخی " اور " کذا فی تخریج الرازی" آیا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

پانچواں طبقہ: اصحاب الترجیح

پانچواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جن کے اندر اجتہادی صلاحیت تو نہیں ہوتی ہے لیکن متعارض اقوال میں کسی قول کو دلائل کی بنیاد پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسے امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری، امام علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی اور ان جیسی شان رکھنے والے فقہاء کرام، ان فقہاء کرام کا طرز تصنیف یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے قول هٰذا أولى، هٰذا أصحُّ روايةً، هٰذا أوضَحُ، هٰذا أوفقُ للقِيَاسِ، هٰذا أرفقُ للنَّاسِ وغیرہ کے ذریعہ مختلف روایتوں میں سے ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔

چھٹا طبقہ: اصحاب التمییز

چھٹا طبقہ ان مقلدین فقہاء کا ہے جو مذہب کے مختلف اور متعارض اقوال میں سے اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر الروایہ اور غیر ظاہر الروایہ میں تمییز کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسے کہ متون معتبرہ کے مصنفین (یعنی کنز الدقائق کے مصنف امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی، المختار للفتوی علی مذہب ابی حنیفہ النعمان کے مصنف امام عبداللہ بن محمود موصلی، وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ کے مصنف تاج الشریعہ محمود بن احمد بن عبیداللہ المحبوبی، مجمع البحرین کے مصنف مظفر الدین احمد بن علی المعروف بابن الساعاتی) اور ان جیسے حضرات، ان فقہاء کا طرز تصنیف یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں صرف راجح اور مفتی بہ اقوال بیان کرتے ہیں اور جہاں ضعیف اقوال نقل کرنا ضروری ہوتا ہے وہاں ان کو نقل کرنے کے ساتھ ان کے ضعیف اور مرجوح ہونے کی صراحت بھی کر دیتے ہیں۔

ساتواں طبقہ: مقلد محض

ساتواں طبقہ ان مقلدین فقہاء کا ہے جو فقہاء کے مذکورہ بالا وظائف میں سے کسی بھی وظیفہ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں، ان میں نہ تو ادلۂ اربعہ سے براہ راست مسئلہ مستنبط کرنے کی

صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے امام کے اصول کی روشنی میں جزئیات مستنبط کر سکتے ہیں، نہ تو نئے مسائل میں اجتہادی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی اصول کی روشنی میں کسی مسئلہ کی تخریج کر سکتے ہیں، مختلف اقوال میں ترجیح تو دور کی بات ہے ان اقوال میں سے صحیح قول کی تمیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں، کھوٹے اور کھرے (کار آمد اور نکمے) کے درمیان فرق نہیں کر سکتے ہیں، دائیں اور بائیں کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ رات میں لکڑیاں چننے والے شخص کی طرح یہ لوگ جو کچھ پاتے ہیں اسے جمع کر لیتے ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی:٤٨-٥٣)

ساتواں اصول

مفتی کا مسائل احناف کے طبقات سے واقف ہونا

فقہ حنفی کے بعض مسائل پر ظاہر الروایہ، بعض مسائل پر غیر ظاہر الروایہ اور بعض مسائل پر فتاوی کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ تینوں مسائل قوت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں، لہذا فتوی دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ جس قول پر وہ فتوی دے رہا ہے فقہ حنفی میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور طبقات میں اس کی سندی حیثیت کیا ہے۔

مسائل احناف کے تین طبقات

مشہور قول کے مطابق فقہ حنفی کے مسائل کے تین طبقات ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا طبقہ: ظاہر الروایہ

مسائل کے پہلے طبقہ پر ظاہر الروایہ، مسائل الاصول اور روایۃ الاصول کا اطلاق ہوتا ہے اور اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے جو امام محمد کی چھ کتابوں یعنی مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر صغیر اور سیر کبیر میں اصحاب مذہب سے منقول ہیں، چوں کہ یہ مسائل امام محمد سے مشہور و معروف طریقہ سے منقول ہیں اور ان مسائل کو نقل کرنے والے معتبر اور ثقہ افراد ہیں، اس لئے ان مسائل کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے اور اسی لئے ان کی استنادی حیثیت دوسرے مسائل کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

واضح ہو کہ اصحاب مذہب سے مراد احناف کے علماء ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں، بسا اوقات اصحاب مذہب میں ان کے ساتھ امام زفر، حسن بن زیاد اور ان کے علاوہ ان فقہاء کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ سے علم فقہ حاصل کیا ہے، لیکن ظاہر الروایہ کے سلسلہ میں غالب اور مروج بات یہی ہے کہ وہ یا تو علماء ثلاثہ کا متفق علیہ قول ہوتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کا قول ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ: غیر ظاہر الروایہ

مسائل کا دوسرا طبقہ غیر ظاہر الروایہ اور روایۃ النوادر کہلاتا ہے، اس طبقہ میں تین قسم کے مسائل کو شامل کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ مسائل جو امام محمد کی مذکورہ کتابوں کے علاوہ امام محمد کی دوسری کتابوں یعنی رقیات، جرجانیات، ہارونیات اور کیسانیات وغیرہ میں منقول ہوں۔

فائدہ: **رقیات** کا اطلاق ان مسائل کے مجموعہ پر ہوتا ہے جن کو امام محمد نے رَقّہ شہر میں منصب قضاء پر فائز رہنے کے زمانہ میں جمع کیا تھا، ان مسائل کو آپ کے واسطے سے محمد بن سماعہ نے روایت کیا ہے، **جرجانیات** کا اطلاق ان مسائل کے مجموعہ پر ہوتا ہے جن کو امام محمد نے جُـرْجـان شہر میں جمع کیا تھا، ان مسائل کو آپ کے واسطے سے علی بن صالح جرجانی نے روایت کیا ہے، **ہارونیات** کا اطلاق ان مسائل کے مجموعہ پر ہوتا ہے جن کو امام محمد نے ہارون رشید کے زمانہ میں جمع کیا تھا، بعض فقہاء کے بقول مسائل کا جو مجموعہ آپ نے ہارون نامی شخص کے لئے جمع کیا تھا ان کو ہارونیات کہا جاتا ہے، **کیسانیات** کا اطلاق ان مسائل کے مجموعہ پر ہوتا ہے جن کو امام ابوعمرو سلیمان بن شعیب بن سلیمان کیسانی (متوفی: ۲۷۸ھ) نے امام محمد کے واسطے سے نقل کیا ہے، یا ایک ضعیف قول کے مطابق مسائل کا وہ مجموعہ جو امام محمد نے شہر کیسان میں تیار کیا تھا اس کو کیسانیات کہا جاتا ہے اور ان دونوں اقوال میں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے، بایں طور کہ امام محمد نے اس مجموعہ کو شہر کیسان میں تیار کیا ہو جس کو نقل کرنے والے امام کیسانی ہوں۔ (آسان اصول افتاء، دسواں باب)

۲۔ وہ مسائل جو امام اعظم کے دیگر تلامذہ جیسے امام ابویوسف، امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہ کی کتابوں میں منقول ہوں۔

۳۔ وہ مسائل جو امام اعظم سے غیر معروف طریقہ سے منقول ہوں یا ان کو نقل کرنے والے تنہا ہوں، جیسے معلّٰی بن منصور، ہشام بن عبیداللہ اور ابن رستم المروزی کی نوادرات۔

تیسرا طبقہ: فتاوی اور واقعات

مسائل کے تیسرے طبقہ پر فتاوی، واقعات اور تخریجات مشائخ کا اطلاق ہوتا ہے، اس طبقہ میں ان مسائل کو شامل کیا جاتا ہے جن کا استنباط مجتہدین متاخرین نے اس وقت کیا جب ان سے ان مسائل کی بابت سوال کیا گیا اور انہوں نے ان مسائل کا جواب اپنے امام کی کتابوں میں نہیں پایا تو بذات خود اجتہاد کر کے ان کا جواب دیا، ان مسائل کو مستنبط کرنے والے صاحبین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہوتے ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے تفصیلی احوال جاننے کے لئے ہمارے اصحاب کی طبقات اور تاریخ کی کتابیں ہیں۔

صاحبین کے شاگردوں میں عصام بن یوسف، ابراہیم بن رستم المروزی، محمد بن سماعہ، ابوسلیمان الجوزجانی اور ابوحفص البخاری کے اسماء قابل ذکر ہیں اور صاحبین کے شاگردوں کے شاگردوں میں محمد بن سلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحیی اور ابوالنصر قاسم بن سلام کے اسماء تذکرہ کے قابل ہیں، یہ حضرات بسا اوقات دلائل میں غور وفکر کی بنیاد پر اصحاب مذہب کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور ان کے اقوال مذہب سے خارج نہیں کہلاتے ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی:٦٧۔٧١)

آٹھواں اصول

امام اعظم کے شاگردوں کے قول پر فتوی دینا

فقہ حنفی میں بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں قوت دلیل، عرف وعادت اور ضرورت وغیرہ کی بنیاد پر امام اعظم کے قول پر فتوی دینے کے بجائے صاحبین یا امام اعظم کے دوسرے شاگردوں کے اقوال پر فتوی دیا جاتا ہے، اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فقہ حنفی کے مقلد نے صرف امام ابوحنیفہ کی تقلید کا التزام کیا ہے، صاحبین وغیرہ کی تقلید کا وہ پابند نہیں ہے (اسی لئے امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو حنفی کہا جاتا ہے، صاحبین کی طرف منسوب کر کے اس کو ابویوسفی ومحمدی نہیں کہا جاتا) تو اس کے لئے صاحبین کے قول پر عمل کرنا اور فتوی دینا کیسے جائز ہوگا؟ یہ تو اپنے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب کے علماء کے اقوال پر فتوی دینا ہوگا جو جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے بہت تفصیل سے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگردوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ ''اگر میرے کسی مرجوح قول کو دلیل کے اعتبار سے تم مضبوط سمجھو تو تم اسی قول پر عمل کرنا اور میرے راجح قول کو چھوڑ دینا''، اور امام ابوحنیفہ کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ وہ کسی مسئلہ کے بارے میں اپنے شاگردوں کے سامنے مختلف احتمالات رکھتے تھے اور ہر ایک کے دلائل بھی بیان کرتے تھے، اس کے بعد انھیں احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو راجح قرار دیتے ہوئے مسئلہ کی بنیاد اس پر رکھ دیتے تھے اور دوسرے احتمالات کو ضعیف یا رد کر دیتے تھے، لیکن شاگردوں میں سے بعض شاگرد کو اپنے خصوصی اجتہاد کی بنا پر امام صاحب کا بیان کردہ دوسرا احتمال ہی قوی معلوم ہوتا تھا اور وہ اسی مرجوح احتمال پر فتوی دیتے تھے، کیوں کہ اس کی اجازت انھیں خود امام اعظم کی طرف سے ملی ہوئی تھی، چنانچہ امام صاحب کے تمام شاگرد اس بات کا اعتراف کیا

کرتے تھے کہ انھوں نے جس مسئلہ میں بھی امام اعظم کے قول کے خلاف دوسرے قول کواختیار کیا ہے تو ان کا قول درحقیقت امام اعظم ہی کا قول ہے جس سے انھوں نے رجوع کرلیا تھا، تو چوں کہ اس دوسرے احتمال کو سب سے پہلے امام صاحب نے ہی پیدا کیا اس لئے شاگردوں کے وہ اقوال امام صاحب ہی کے اقوال شمار ہوں گے اوران کے اقوال پر بھی فقہ حنفی کا اطلاق ہوگا اور شاگردوں کے اقوال پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی مقلد حنفی مسلک حنفیت سے خارج نہیں ہوگا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۹۲۔۹۳)

نواں اصول

فقہ حنفی میں صاحبین کے اقوال شامل ہیں یا نہیں؟

فقہ حنفی میں امام اعظم کے علاوہ صاحبین اور مشائخ احناف کے اقوال شامل ہوں گے یا نہیں؟اس سلسلہ میں قدرے اختلاف ہے اور بنیادی طور پر دو اقوال ملتے ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ اصحاب کے اقوال چوں کہ امام صاحب ہی کے اقوال ہیں اور انھیں کے اصول وقواعد پر مبنی ہیں اس لئے ان کے اقوال بھی فقہ حنفی میں شامل ہوں گے،علامہ شامی فرماتے ہیں:

اوراس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب کے شاگردوں نے اپنے امام اعظم کی مخالفت ہے تو وہ قول امام صاحب کے مذہب سے خارج نہیں ہوگا جبکہ معتبر مشائخ اس قول کو راجح قرار دیں،اسی طرح وہ مسائل جن کی بنیاد مشائخ نے زمانہ میں تبدیلی،ضرورت وحاجت یا اس کے علاوہ کسی اور سبب سے جدید عرف پر رکھا ہو ایسے مسائل بھی مذہب سے خارج نہیں ہوں گے،کیوں کہ مشائخ نے جس قول کو اپنے نزدیک دلائل کے راجح ہونے کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے اس کی اجازت انھیں امام کی طرف سے دی گئی ہے،اسی طرح مشائخ نے جن مسائل کا دار ومدار بدلے ہوئے زمانہ اور عرف پر رکھا ہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر امام صاحب زندہ ہوتے تو امام صاحب بھی وہی بات فرماتے جو ان مشائخ نے کہی ہے(تو ایسے مسائل بھی مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوں گے)کیوں کہ مشائخ نے جو کچھ کہا ہے وہ امام صاحب ہی کے قواعد پر مبنی ہے،لہذا یہ قول امام صاحب کے مذہب کا مقتضی ہے۔(شرح عقود رسم المفتی:۹٦)

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں:

.لیکن مناسب یہ ہے کہ "قال ابو حنیفة كذا" صرف ان مسائل کے متعلق کہا

جائے جوامام صاحب سے صراحتاً مروی ہیں، اوراس قسم کے مسائل کے متعلق یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کا مقتضی یہ ہے جیسا کہ ہم نے کہا، اوریہی تعبیران مسائل میں بھی ہونی چاہئے جن کی تخریج مشائخ نے امام صاحب کے قواعد یاامام صاحب کے قول پر قیاس کرتے ہوئے کی ہے، اسی کو فقہاء اس طرح کہتے ہیں: امام صاحب کے فلاں قول پر قیاس کے مطابق اس مسئلہ کا حکم یہ ہے، تو ان تمام مسائل کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے، ہاں! یہ بات درست ہے کہ ان اقوال کوامام صاحب کے مذہب کا نام دیا جائے گا بایں معنی کہ وہ امام کے مذہب کی اتباع کرنے والوں کا قول ہے یاامام کے مذہب کا مقتضی ہے، اوراسی وجہ سے جب الدرروالغرر کے مصنف نے کتاب القضاء میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ جب قاضی مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کردے تواس کا فیصلہ نافذنہیں ہوگا (توانھوں نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے) یعنی قاضی جب اپنے اصل مذہب کے خلاف فیصلہ کردے، جیسے کہ حنفی قاضی امام شافعی یاان جیسے کسی اور مجتہد کے مذہب کے مطابق فیصلہ کردے یااس کے برعکس، اور بہرحال! جب حنفی قاضی امام ابویوسف یاامام محمد یاامام صاحب کے دیگر شاگردوں کے اقوال کے مطابق فیصلہ کرے تو یہ امام صاحب کی رائے کے خلاف فیصلہ کرنا نہیں ہے، الدررروالغرر کے مصنف کی بات پوری ہوگئی۔

(شرح عقود رسم المفتی:٩٦)

۲۔ شیخ عوامہ کے داماد ڈاکٹر سائد بکداش (جو فقہ حنفی کی ایک درجن سے زائد کتب پر تحقیق وتعلیق کا کام کرچکے ہیں ان) کی رائے یہ ہے کہ فقہ حنفی کا اطلاق صرف امام ابوحنیفہ کے اقوال پر ہوگا، کیوں کہ متقدمین فقہائے حنفیہ کی عبارات میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ فقہ حنفی کے اطلاق میں صاحبین کے اقوال بھی شامل ہیں، اس کے برعکس متقدمین ہی کی کتابوں اورطرز تصنیف میں بہت سے اشارات ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے اقوال فقہ حنفی میں شامل نہیں ہیں، مثلاً ظاہر الروایہ

میں امام محمد کا طرز یہ ہے کہ وہ شیخین اور اپنے قول کے لئے الگ الگ مذہب کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہر ایک کے اقوال کو تقابلی انداز میں پیش کرتے ہیں، نیز علامہ موصلی کی المختار اور امام نسفی کی کنز الدقائق میں صرف اقوالِ امام کو فقہ حنفی میں شامل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دیگر متون میں بھی قول امام کو راجح قرار دینے کا التزام کیا گیا ہے، گرچہ بعض مسائل میں عرف اور ضرورت وغیرہ کی بنیاد پر صاحبین کے قول کی طرف بھی عدول کیا گیا ہے، لیکن یہ عدول تو ہر ایک مسلک میں ہوتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صاحبین کے اقوال بھی فقہ حنفی میں شامل ہوں گے۔

(مستفاد از:تکوین المذهب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتی به،سائد بکداش)

محقق سائد بکداش کے بقول صاحبین کے اقوال کو فقہ حنفی میں شامل کر کے صاحبین و امام صاحب کے اقوال میں تصحیح و ترجیح کی داغ بیل صاحب ہدایہ نے ڈالی ہے، انھوں نے ہدایہ میں صاحبین اور امام صاحب کے اقوال میں خلط کرتے ہوئے مختلف مسائل میں تینوں ائمہ کے اقوال میں تصحیح و ترجیح کا طرز اپنایا، صاحب ہدایہ کے بعد قاضی خان نے فتاوی قاضی خان میں، علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں، ابن نجیم نے البحر الرائق میں اور ابن عابدین نے حاشیہ رد المحتار میں اسی طرز کو اپنایا اور یوں متقدمین کے بجائے ان متاخرین کا طرز ہی اصل قرار پایا اور آج صورت حال یہ ہے کہ صاحبین کے اقوال کو باقاعدہ فقہ حنفی کا جزو سمجھا جاتا ہے، صاحبین کے اقوال پر فتوی کو کسی صورت خروج عن المذہب نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ یہ متقدمین اور اصحاب متون و مختصرات کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

(مستفاد از:تکوین المذهب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتی به،از سائد بکداش)

دسواں اصول

مفتی کا امام کے دلائل سے واقف ہونا

مفتی جس مسئلہ کے متعلق جواب دے رہا ہے تو کیا اس کے لیے اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کے قول کی دلیل سے واقف ہونا بھی شرط ہے یا دلیل سے واقف ہوئے بغیر مجتہد کے محض قول کی بنیاد پر ہی فتوی دینا جائز ہے؟

امام ابن عابدین شامی نے شرح عقود رسم المفتی میں اس کا بہت تفصیلی جواب دیا ہے جو کسی قدر حذف واضافہ اور ترمیم کے ساتھ یہاں نقل کیا جا رہا ہے، وہ فرماتے ہیں:

امام اعظم اور دیگر مجتہدین کا جو یہ قول مروی ہے "**لا یحل لأحد أن یفتی بقولنا حتی یعلم من أین قلنا**" (کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے جب تک کہ اسے ہمارے قول کی دلیل کا علم نہ ہو جائے) اس جملہ میں دو معنوں کا احتمال ہے:

ا۔ اس جملہ کا پہلا مطلب تو وہ ہے جو عبارت کا ظاہری اور متبادر معنی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب اس کے نزدیک کسی مسئلہ میں اپنے امام کا مذہب ثابت ہو جائے (مثلاً امام اعظم کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے) تو اس کے لئے اس پر فتوی دینا اس وقت جائز ہے جب وہ امام صاحب کے قول کی دلیل بھی جان لے، اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ صورت مجتہد مفتی کے ساتھ خاص ہے نہ کہ مقلد محض کے ساتھ، کیوں کہ تقلید کسی کا قول اس کی دلیل جانے بغیر لینے کا نام ہے (چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں: امام کے قول کو دلیل جان کر لینا تقلید نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو دلیل سے مسئلہ اخذ کرنا ہے، مجتہد سے مسئلہ اخذ کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام کے قول کی دلیل جان کر اس قول کو اختیار کرنا اجتہاد کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ دلیل کی معرفت تو صرف مجتہد ہی کو ہو سکتی ہے، کیوں کہ دلیل کا جاننا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ دلیل معارض دلیل سے محفوظ ہے، اور یہ بات تمام دلائل کے جان

لینے پر موقوف ہے، اور اس پر صرف مجتہد آدمی ہی قدرت رکھ سکتا ہے، اور صرف یہ جان لینا کہ فلاں مجتہد نے فلاں حکم فلاں دلیل سے اخذ کیا ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے) لہذا ''مفتی کے لئے دلیل جاننا ضروری ہے'' کا مطلب یہ ہوگا کہ مفتی اس دلیل کی حالت سے بھی واقف ہو، تاکہ اس کے لئے اس مسئلہ میں یقین کے ساتھ امام کی تقلید اور دوسروں کو اس پر فتوی دینا درست ہو، اور یہ بات مجتہد فی المذہب مفتی ہی کے لئے ممکن ہے، کیوں کہ وہی درحقیقت مفتی ہے، دوسرے لوگ تو ناقلِ فتوی ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۱۱)

لیکن اس مطلب کو خود امام ابن عابدین شامی نے بعید قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

لیکن قول امام کا یہ مطلب مراد لینا بعید ہے، کیوں کہ یہ (مجتہد فی المذہب) مفتی جب اجتہاد مطلق کے درجہ تک نہیں پہنچا تو اس پر اس شخص کی تقلید لازم ہے جو اجتہاد مطلق کے درجہ کو پہنچ چکا ہے اور مقلد پر اپنے امام کے قول کی دلیل جاننا لازم نہیں ہے مگر ایک قول کے مطابق، علامہ ابن الہمام ''التحریر'' میں فرماتے ہیں: جو آدمی مجتہد مطلق نہیں ہے اس پر تقلید لازم ہے اگر چہ وہ فقہ کے بعض مسائل یا بعض علوم جیسے کہ فرائض میں مجتہد ہو، اجتہاد میں تجزی کے جواز کے قول کی بناء پر، اور یہی قول برحق ہے، لہذا جن مسائل میں وہ اجتہاد پر قادر نہیں ہے تو وہ دوسروں کی تقلید کرے گا، اور عالم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس پر تقلید اس شرط کے ساتھ لازم ہے کہ اس پر مجتہد کے دلیل کی صحت واضح ہو جائے، ورنہ عالم کے لئے اس کی تقلید جائز نہیں ہے، ابن الہمام کی بات پوری ہوگئی، تو ابن الہمام کا یہ قول ''کہ اس پر تقلید لازم ہے'' اور تقلید کی وہ تعریف جو ہم نے اوپر ذکر کیا؛ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دلیل کا جاننا صرف مجتہد مطلق کے لئے ضروری ہے، دوسروں پر یہ بات لازم نہیں ہے اگر چہ دوسرا مجتہد فی المذہب ہی کیوں نہ ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۱۲)

۲۔ امام کے قول کے دو احتمالوں میں سے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ امام کے اصولوں سے تخریج کر کے فتوی دینا اس وقت جائز ہے جب کہ وہ اپنے امام کے ان قواعد کے دلائل سے بھی واقف ہو۔

علامہ ابن الہمام التحریر میں اور ابن امیر حاج التحریر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ غیر مجتہد مفتی کسی مجتہد کے مذہب کے مطابق اس کے اصول وقواعد پر تخریج کر کے اس وقت فتوی دے سکتا ہے، جبکہ یہ غیر مجتہد مفتی اپنے مجتہد امام کے احکام کے مآخذ کو جانتا ہو، ان مآخذ میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو، مجتہد کے قواعد سے جزئیات تفریع کرنے پر قادر ہو، (مشابہ مسائل میں) فرق وجمع کی اس کے اندر صلاحیت ہو اور اس بارے میں بحث ومباحثہ کرنے پر وہ قادر ہو، اس طرح کہ وہ نئے مسائل جن میں صاحب مذہب سے کوئی قول منقول نہیں ہوتا ہے تو یہ ان مسائل کے احکام کو اپنے امام کے اصول کی روشنی میں مستنبط کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہو اور اسی کو مجتہد فی المذہب بھی کہتے ہیں، اور اگر اس مفتی میں مذکورہ بالا صفات نہیں ہیں تو اس کے لئے اصول وکلیات سے جزئیات کا استنباط درست نہیں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۱۳)

امام ابن عابدین شامی خلاصہ کے طور پر فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام اور ان کے شاگردوں کا یہ قول کہ ''کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے، جب تک کہ اسے ہمارے قول کی دلیل معلوم نہ ہو جائے'' کا مصداق وہ صورت ہے جب کہ مجتہد فی المذہب مفتی اپنے امام کے اصول سے استنباط اور تخریج کر کے فتوی دے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ مجتہد فی المذہب میں تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقہ کے فقہاء بھی شامل ہیں، اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کو صرف نقل کرنے پر اکتفا کرنا چاہئے، اور ہمارے ذمہ واجب ہے کہ ہم ان حضرات کی پیروی کریں ان مسائل میں بھی جن کو وہ ہمارے سامنے بیان کریں، یعنی ان کے مستنبط شدہ ایسے

مسائل جن کے بارے میں متقدمین سے کوئی صراحت نہیں ہے اوران کی ترجیحات میں بھی ان کی پیروی کرنالازم ہے،اگرچہ یہ فقہاء کسی غیر مجتہد کے قول کو ہی راجح قراردیں،جیسا کہ ہم نے اس بات کواس بحث کے آغاز میں بیان کردیاہے،اس لئے کہ ان لوگوں نے جس قول کو راجح قرار دیاہے محض اٹکل سے اس کو راجح نہیں قرار دیاہے،بلکہ ان کے مآخذ سے واقف ہونے کے بعد ہی اسے ترجیح دی ہے،جیسا کہ ان کی تصنیفات اس بات پر شاہد ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۱۳)

گیارہواں اصول

غیر منصوص مسائل کا جواب دینا

مفتی کے سامنے کبھی کبھی ایسا نیا واقعہ بھی پیش آتا ہے جس میں امام اعظم، صاحبین، مشائخ مذہب اور دیگر متقدمین و متاخرین فقہاء سے کوئی صریح قول منقول نہیں ہوتا ہے، تو اس واقعہ کی بابت مفتی کے لئے اپنی رائے پر فتوی دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

علامہ شامی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور اگر بعد کے مشائخ سے بھی قطعاً کوئی صریح حکم مروی نہ ہو، تو مفتی اس واقعہ میں خوب غور و فکر اور کوشش کرے، تا کہ وہ اس مسئلہ کا کوئی ایسا حکم دریافت کر سکے جس کے ذریعہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے، اور اپنے منصب اور اس کی حرمت کے پیش نظر اس مسئلہ میں اٹکل سے گفتگو نہ کرے، اور اللہ تعالی سے ڈرے اور اس کا خوف رکھے، کیوں کہ فتوی دینا نہایت اہم معاملہ ہے، اس کی جسارت وہی کرتا ہے جو جاہل اور بد بخت ہوتا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۱)

فتاوی قاضی خان میں ہے:

اگر کوئی مسئلہ غیر ظاہر الروایہ میں ہو تو اگر وہ مسئلہ ہمارے ائمہ کے اصول و ضوابط کے موافق ہو تو مفتی اسی پر عمل کرے، اور اگر کوئی مفتی کسی مسئلہ میں ہمارے ائمہ سے کوئی روایت نہ پائے اور اس مسئلہ میں متاخرین کسی بات پر متفق ہوں تو مفتی اسی پر عمل کرے، اور اگر ان کا اختلاف ہو تو مفتی اجتہاد کرے، اور اس کے نزدیک جو بات درست ہو اسی پر فتوی دے، اور اگر مفتی مقلد ہو مجتہد نہ ہو تو اس کے نزدیک جو شخص زیادہ فقیہ ہو اس کے قول کو اختیار کرے اور جواب کو اسی کی طرف منسوب کرے، پس اگر اس کے نزدیک جو شخص زیادہ فقیہ ہے وہ دوسرے شہر میں رہتا ہو تو اس سے خط کے ذریعہ رابطہ کرے، اور اس کے

بعد جواب لکھے، حلال کو حرام بنا کر یا حرام کو حلال بنا کر اللہ تعالی پر افترا پردازی سے ڈرتے ہوئے اٹکل سے (بے تکی) باتیں نہ کرے، فتاوی قاضی خان کی بات مکمل ہوگئی۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۱)

قاضی خان کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اور قاضی خان کے اس قول "وإنْ کان المفتی مقلّداً غیرَ مجتهد" سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جن مسائل میں کسی فقیہ سے صراحتاً کوئی حکم مروی نہ ہو تو مقلد محض کے لئے ان مسائل میں فتوی دینا جائز نہیں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۲)

اور اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو البحر الرائق میں فتاوی تاتارخانیه کے حوالہ سے منقول ہے:

اور اگر متاخرین میں اختلاف ہو تو مفتی کسی ایک قول کو لے لے، پس اگر متاخرین میں سے کسی کا قول نہ پائے تو وہ خود اجتہاد کرے جب کہ وہ فقہ کی وجوہ (تفصیلات) جانتا ہو، اور فقہاء سے مشورہ بھی کر لے، البحر الرائق کی بات مکمل ہوگئی۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۲۲)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

تو تاتارخانیہ کا یہ قول إذا کان یعرف إلخ اس بات کی دلیل ہے کہ جو مفتی اس کو نہیں جانتا ہو، بلکہ اس نے فقہ کی ایک یا چند کتابیں پڑھ لی ہو اور اس کو سمجھ لیا ہو، اور اس میں کتابوں کی مراجعت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہو، اور مشہور قابل اعتماد کتابوں میں وہ مسئلہ کہاں ملے گا اس کی استعداد اس میں پیدا ہوگئی ہو، تو ایسا شخص جب کوئی واقعہ کسی کتاب میں نہ پائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے سے فتوی دے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ کہدے "میں یہ مسئلہ نہیں جانتا" جیسا کہ اس سے بڑے مرتبہ والوں نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے، یعنی مجتہدین صحابہ اور ان کے بعد کے مجتہدین نے، بلکہ اس ہستی نے جس کی

تائید وحی کے ذریعہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۲۲)

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں:

اور غالب گمان یہ ہے کہ مفتی کا کسی مسئلہ میں عبارت (یعنی فقہاء کے اقوال) کا نہ پانا اس کی جستجو کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسے اس مقام کا پتہ ہی نہیں ہوتا جہاں وہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ امر بہت نادر اور شاذ ہے کہ کوئی واقعہ پیش آئے اور کتب مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو، یا تو بعینہ وہی مسئلہ مذکور ہوتا ہے، یا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ مذکور ہوتا ہے جو اس واقعہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۲۳)

بارہواں اصول

مفتی کا مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا

فقہی کتابوں کا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے جس کے تحت شرعی مسائل کو نقل کیا جاتا ہے، چنانچہ عبارت میں کسی مسئلہ کو کسی شرط یا صفت وغیرہ کی قید سے مقید کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صفت اور شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔

مثلا فقہی کتابوں میں ایک مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ

اگر کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی سے انت طالق انت طالق انت طالق کہے اور تاکید کی نیت نہ ہو تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی تو اس عبارت میں مدخولہ کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ بیوی اگر غیر مدخول بہا ہو تو تین طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ ایک ہی طلاق سے وہ بائنہ ہو جائے گی۔

لہذا ایک مفتی کے لئے نصوص اور فقہی عبارات کی اپنے معنی پر دلالت کے طریقۂ کار کو سمجھنا انتہائی ضروری امر ہے، ذیل میں اس ضابطہ کی مزید تشریح کی جاتی ہے:

معنی پر دلالت کے اعتبار سے نصوص کے اقسام

فقہاء احناف کے نزدیک نصوص کی اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے ۴؍ قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں: عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص، جب کہ شوافع اور دیگر اصولیین کے نزدیک نصوص کی اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے صرف ۲؍ قسمیں ہیں: منطوق اور مفہوم۔

(التحریر فی اصول الفقہ:۲۸،التقریر و التحبیر:۱/۱۴۰،۱۴۵،اصول الفقہ الاسلامی للزحیلی:۱/۴۳۸،اصول الفقہ لابی زہرہ:۱۳۹)

ذیل میں ان میں سے ہر ایک قسم کا مختصر تعارف مع مثال کے تحریر کیا جارہا ہے۔

عبارۃ النص کی تعریف مع مثال

نص کا ایسے معنی پر دلالت کرنا جو نص سے بغیر غور وفکر کے سمجھ میں آ جائے اور اس نص سے وہی معنی مقصود بھی ہو اس کو عبارۃ النص کہتے ہیں، خواہ وہ معنی اس نص سے مستقل طور پر مقصود ہو یا ضمنی طور پر، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵) (ترجمہ: اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا) اس آیت سے عبارۃ النص کے طور پر دو معانی سمجھ میں آتے ہیں: پہلا معنی یہ ہے کہ بیع اور ربو دونوں الگ الگ چیزیں ہیں ایک نہیں ہیں، جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے اور یہ معنی اس آیت کا مقصود اصلی ہے، کیوں کہ یہ آیت انہیں لوگوں کی تردید میں وارد ہوئی ہے جو بیع اور ربو کو ایک ہی شیء قرار دیتے تھے، دوسرا معنی یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ بیع حلال ہے اور ربو حرام ہے اور یہ معنی اس آیت کا مقصود تبعی ہے۔

(التقریر والتحبیر: ۱/۱۴۰، اصول الفقه للزحیلی: ۱/۳۳۹، اصول الفه لابی زهره: ۱۳۹)

اشارۃ النص کی تعریف مع مثال

نص کا ایسے معنی پر دلالت کرنا جو معنی اس کلام سے نہ تو مستقل طور پر مقصود ہو اور نہ ہی ضمنی طور پر لیکن وہ معنی اس حکم کو مستلزم ہو جس حکم کی وضاحت کے لئے وہ کلام لایا گیا ہے اس کو اشارۃ النص کہا جاتا ہے، بسا اوقات وہ لازمی معنی نص میں غور وفکر کئے بغیر سمجھ میں آ جاتا ہے اور کبھی کبھی معمولی غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے ﴿وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۳) (اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر لازم ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے) اس آیت میں عبارۃ النص سے یہ معنی سمجھ میں آیا کہ دودھ پلانے والی ماؤں کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اور یہ کہ اولاد کی نسبت والد کی طرف ہوتی ہے ماں کی طرف نہیں، اور یہ دونوں معانی اس آیت سے مقصود ہیں، پہلا معنی مستقل طور پر اور دوسرا معنی ضمنی طور پر مقصود ہے، اس لئے

کہ بچہ کی نسبت باپ کی طرف حرف اختصاص (لام) کے ذریعہ کی گئی ہے، البتہ دوسرے معنی سے درج ذیل دو معانی بھی اشارۃ النص کے طور پر سمجھ میں آتے ہیں: ایک یہ کہ جس طرح باپ کی طرف اولاد کی نسبت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا اسی طرح جو خرچہ باپ کے ذمہ ہے اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا، دوسرا یہ کہ اولاد کے مال میں باپ کا بھی حق ہوگا اور وہ اپنی ضرورت کے بقدر اس میں سے خرچ بھی کرسکتا ہے۔

(التقریر والتحبیر: ۱/۱۴۱، اصول الفقه للزحیلی: ۱/۳۵۰، اصول الفقه لابی زهره: ۱۴۰)

دلالۃ النص کی تعریف مع مثال

نص کا ایسے معنی پر دلالت کرنا جو نہ تو بالذات مقصود ہو اور نہ ہی بالتبع اور نہ ہی وہ اس معنی کے لئے مستلزم ہو جس کے لئے کلام لایا گیا ہے، البتہ وہ معنی نص سے بغیر غور وفکر کئے ہوئے سمجھ میں آجائے تو اس کو دلالۃ النص سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿فَلا تَقُلْ لَّهُما اُفٍّ وَّلا تَنْهَرْهُما﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) (ماں باپ کو اف مت کہو اور نہ ہی ان دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرو) اس آیت کا عبارۃ النص یہ ہے کہ ماں باپ کو اف کہنا حرام ہے، لیکن دلالۃ النص کے طور پر یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ ماں باپ کو مارنا بھی حرام ہے، اس لئے کہ مارنے پیٹنے کی اذیت اف سے بڑھ کر ہے، پس جب اف کہنے کی اجازت نہیں ہے تو مارنے پیٹنے کی بدرجۂ اولی اجازت نہیں ہوگی، اس معنی کو سمجھنے کے لئے کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، ہر عاقل اس کو سمجھ سکتا ہے، یہی معنی اس آیت کا دلالۃ النص ہے۔

(التقریر والتحبیر: ۱/۱۴۳، اصول الفقه للزحیلی: ۱/۳۵۳، اصول الفقه لابی زهره: ۱۴۱)

اقتضاء النص کی تعریف مع مثال

نص کا ایسے محذوف لفظ پر دلالت کرنا جس پر شرعا یا عقلا اس نص کی صحت و درستی کا مدار ہو اس کو اقتضاء النص کہا جاتا ہے، یعنی اس لفظ کو پوشیدہ مانے بغیر نص کا معنی درست طور پر سمجھ میں نہ آتا ہو، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

الْخِنْزِيْرِ﴾ (المائدہ:۳) (تمہارے اوپر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے) اس آیت میں مَیْتَۃ سے پہلے لفظ اکل پوشیدہ ہے، کیوں کہ اس لفظ کو پوشیدہ مانے بغیر نص کا معنی ہی درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت میں حرمت کا تعلق کسی شیء کی ذات پر نہیں ہوتا ہے بلکہ ذات سے متعلق کسی فعل مثلاً انتفاع وغیرہ پر ہوتا ہے، پس نص کا مطلب یہ ہوا کہ مردار سے فائدہ اٹھانا یعنی اس کو کھانا جائز نہیں ہے اور یہ معنی اقتضاء النص سے سمجھ میں آیا ہے۔

(اصول الفقه الاسلامي،وهبه زحيلي:۳۵۵/۱،اصول الفقه لابی زهره:۱۴۳)

چاروں دلائل سے متعلق اہم فوائد

۱۔ ان چاروں دلائل سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ قطعی ہوتے ہیں، مگر یہ کہ اس کے خلاف کوئی صراحت موجود ہو اور ان چاروں میں عبارۃ النص اشارۃ النص کے مقابلے میں، اشارۃ النص دلالۃ النص کے مقابلے میں اور دلالۃ النص اقتضاء النص کے مقابلے میں زیادہ قوت رکھتے ہیں، پس تعارض کی صورت میں اسی ترتیب کے اعتبار سے ترجیح دی جائے گی۔

(الوجيزفی اصول الفقه:۱۴۷/۲،اصول الفقه للزحيلي:۳۵۷/۱،اصول الفقه لابی زهره:۱۴۵)

۲۔ ان چاروں کی تعریفات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان دلالتوں سے نص کا جو معنی سمجھا جاتا ہے وہ نص کا واضح مفہوم ہوتا ہے جو نص ہی کی بنیاد پر ثابت اور تسلیم شدہ ہوتا ہے، ان چاروں اقسام کو دلالت منطوق (یعنی نص کا واضح مفہوم) کہا جاتا ہے۔

(اصول الفقه،عبدالكريم زيدان:۳۷ه)

حنفیہ کے برعکس شوافع اور جمہور (متکلمین) کے نزدیک نصوص کی اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: منطوق اور مفہوم، جن کی وضاحت درج ذیل ہے:

منطوق کی تعریف

نص کا ایسے معنی پر دلالت کرنا جس کی ادائیگی کے لیے ہی اس کلام کو لایا گیا ہو اس کو

منطوق کہا جاتا ہے، بالفاظ دیگر منطوق اس معنی کو کہا جاتا ہے جس پر براہ راست اس کلام کے الفاظ دلالت کریں، حنفیہ کے نزدیک منطوق کے ضمن میں دلالت کی تینوں اقسام یعنی عبارۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص آجاتی ہیں اور دلالۃ النص کو حنفیہ مفہوم سے تعبیر کرتے ہیں، لہذا عبارۃ النص وغیرہ کی مثالیں منطوق کی بھی مثال بن جائیں گی۔

(التقریر والتحبیر: ۱۴۷/۱، اصول الفقه الاسلامی، وهبه زحیلی: ۳۶۰/۱)

مفہوم کی تعریف

نص کا ایسے معنی پر دلالت کرنا جس کی ادائیگی کے لیے اس کلام کو نہ لایا گیا ہو، لیکن وہ معنی اس کلام سے سمجھ میں آجاتا ہو اس کو مفہوم کہا جاتا ہے، بالفاظ دیگر مفہوم اس معنی کو کہا جاتا ہے جس پر براہ راست اس کلام کے الفاظ دلالت نہ کریں، لیکن وہ معنی اس کلام سے مستفاد ہوتا ہو، حنفیہ کے نزدیک مفہوم ہی کو دلالۃ النص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(التقریر والتحبیر: ۱۴۷/۱، اصول الفقه الاسلامی، وهبه زحیلی: ۳۶۱/۱)

مفہوم کے اقسام

مفہوم کی دو قسمیں ہیں: مفہوم موافق اور مفہوم مخالف، منطوق میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اسی حکم کو مسکوت کے لئے بھی ثابت ماننا مفہوم موافق کہلاتا ہے اور منطوق میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اس حکم کی نقیض کو مسکوت کے لئے ثابت ماننا مفہوم مخالف کہلاتا ہے، مفہوم موافق کو تنبیہ الخطاب اور مفہوم مخالف کو دلیل الخطاب بھی کہا جاتا ہے۔

(التقریر والتحبیر: ۱۴۷/۱، اصول الفقه للزحیلی: ۳۶۲/۱، الوجیز فی اصول الفقه: ۱۵۴/۲)

مفہوم موافق کے اقسام

پھر مفہوم موافق کی بھی دو قسمیں ہیں: فحوی الخطاب اور لحن الخطاب۔

فحوی الخطاب یہ ہے کہ نص میں جس صورت کا حکم بیان نہیں کیا گیا ہے اس مسکوت کے لئے اگر منطوق کا حکم بدرجۂ اولی ثابت ہوتا ہو تو اس کو فحوی الخطاب کہا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالی

کے ارشاد ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ﴾ سے مسکوت عنہ یعنی والدین پر دست درازی کی حرمت کا حکم بدرجۂ اولی سمجھ میں آتا ہے اور لحن الخطاب یہ ہے کہ نص میں جس صورت کا حکم بیان نہیں کیا گیا ہے اس مسکوت کے لئے منطوق کا حکم برابر درجہ میں ثابت ہوتا ہو، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوالَ الْيَتامٰى ظُلْماً﴾ (النساء: ۱۰) اس آیت میں ظلماً یتیموں کا مال کھانے پر وعید بیان کی گئی ہے لیکن اس آیت سے یتیموں کا مال جلانے کی وعید بھی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ آیت کا اصل مقصد یتیم کے مال کو تلف کرنے سے منع کرنا ہے اور اتلاف دونوں صورتوں میں برابر درجہ کی ہے، پس دونوں حکموں کا ثبوت برابر درجہ میں ہوا۔

(التقریر والتحبیر: ۱/۱۴۷، اصول الفقه للزحیلی: ۱/۳۶۲، الوجیز فی اصول الفقه: ۲/۱۵۴)

مفہوم مخالف کے اقسام

مفہوم مخالف کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے درج ذیل مشہور ومعروف ہیں:

مفہوم صفت، مفہوم شرط، مفہوم غایت، مفہوم عدد اور مفہوم لقب۔

مفہومِ صفت کی تعریف مع مثال

منطوق کے حکم کو کسی صفت کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ اس صفت کے نہ پائے جانے کی صورت میں مسکوت کے لئے منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی اس کو مفہوم صفت کہا جاتا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ﴿فِی الْغَنَمِ السَّائِمَةِ زَكٰوة﴾ (سائمہ بکریوں میں زکوۃ واجب ہے) اس حدیث کا منطوق یہ ہے کہ سائمہ جانوروں میں زکوۃ واجب ہے اور علوفہ جانوروں میں زکوۃ کے وجوب وعدم وجوب کی بابت یہ نص خاموش ہے، لیکن نص میں سائمہ کی قید سے یہ سمجھ لینا کہ اس صفت کے نہ پائے جانے کی صورت میں اس کی نقیض ثابت ہوگی، یعنی جب جانور علوفہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی اس مفہوم کو مفہوم صفت کہا جاتا ہے۔

(اصول الفقه لابی زهره: ۱۵۳، اصول الفقه الاسلامی للزحیلی: ۱/۳۶۲)

مفہوم شرط کی تعریف مع مثال

منطوق کے حکم کو کسی شرط کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ اس شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں مسکوت کے لئے منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی مفہوم شرط کہلاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَ اِنْ كُنَّ أُولاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ٦) (اگر وہ مطلقہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو) اس آیت کا منطوق یہ ہے کہ حاملہ مطلقہ بائنہ کا نفقہ شوہر پر لازم ہے، اور مطلقہ بائنہ اگر حمل سے نہ ہو تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہے یا نہیں اس بارے میں نص خاموش ہے، لیکن نص میں نفقہ کو حمل کی شرط کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ غیر حاملہ بائنہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے اس مفہوم کو مفہوم شرط کہا جاتا ہے۔

(اصول الفقه لابی زهره:١٥٤، اصول الفقه الاسلامی للزحیلی:٣٦٣/١)

مفہوم غایت کی تعریف مع مثال

منطوق کے حکم کو کسی غایت کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ جہاں وہ غایت ختم ہوگی وہاں منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی مفہوم غایت کہلاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَلا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرة: ٢٢٢) (حیض والی عورتوں سے قریب مت ہو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک عورت حیض کی حالت میں ہو اس سے جماع جائز نہیں ہے اور حیض سے پاکی کے بعد جماع جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں نص خاموش ہے، لیکن آیت میں جماع کی حرمت کو حَتّٰى يَطْهُرْنَ کی غایت سے مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ پاکی کے بعد جماع جائز ہے اس کو مفہوم غایت کہا جاتا ہے۔

(اصول الفقه لابی زهره:١٥٤، اصول الفقه الاسلامی للزحیلی:٣٦٤/١)

مفہوم عدد کی تعریف مع مثال

منطوق کے حکم کو کسی خاص عدد کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ اس عدد کے ماسوا

پروہ حکم جاری نہیں ہوگا مفہوم عدد کہلاتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً﴾ (سورۃالنور:۴) (تم ان تہمت لگانے والوں کو۸۰؍کوڑے لگاؤ)اس آیت کا منطوق یہ ہے کہ تہمت لگانے والے شخص کو۸۰؍کوڑے لگائے جائیں گے اوراس سے زائدکوڑے لگانا جائز ہے یانہیں اس بابت نص خاموش ہے، پس منطوق میں۸۰؍کی قید لگانے سے یہ سمجھنا کہ۸۰؍سے زائدکوڑے لگانے کی اجازت نہیں ہےاس مفہوم کومفہوم عدد کہاجاتاہے۔

(اصول الفقه لابی زهره:۱۵۵،اصول الفقه الاسلامی للزحیلی:۳٦٥/۱)

مفہومِ لقب کی تعریف مع مثال

منطوق کے حکم کوکسی اسم جامد(غیرمشتق)کے ساتھ مقید کرنے سے یہ سمجھنا کہ اس کے علاوہ میں منطوق کے حکم کی نقیض ثابت ہوگی مفہوم لقب کہلاتاہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے﴿فِي الْغَنَمِ زَكوة﴾ (غنم میں زکوۃ ہے)اس حدیث کا منطوق یہ ہے کہ غنم میں زکوۃ واجب ہےاور غنم کے علاوہ دیگر جانوروں میں زکوۃ واجب ہے یانہیں اس بابت نص خاموش ہے، لہذا نص میں غنم کی قید لگانے سے یہ سمجھنا کہ غنم کے علاوہ کسی بھی جانور میں زکوۃ واجب نہیں ہےاس مفہوم کومفہوم لقب سے تعبیر کیا جاتاہے۔

(اصول الفقه لابی زهره:۱۵۲،اصول الفقه الاسلامی للزحیلی:۳٦٥/۱)

مفہوم موافق ومخالف کا اعتبار

مفہوم موافق کی دونوں قسموں کا اعتبار شرعی نصوص میں بھی کیا جاتاہےاور غیر شرعی نصوص جیسے لوگوں کی عام بول چال میں بھی ان دونوں کا اعتبار کیا جاتاہےاور مفہوم لقب کا اعتبار نہ تو شرعی نصوص میں کیا جاتاہےاور نہ ہی غیر شرعی نصوص میں وہ معتبر ہے، اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، البتہ مفہوم لقب کے علاوہ مفہوم مخالف کی بقیہ اقسام کے معتبر ہونے کی بابت فقہاء کا اختلاف ہے، شوافع کے یہاں نصوص شرعیہ اور غیر شرعیہ دونوں

میں ان اقسام کو معتبر سمجھا جاتا ہے، جب کہ احناف کے یہاں نصوص غیر شرعیہ جیسے لوگوں کی عام بول چال اور فقہی عبارات میں ان اقسام کا اعتبار کیا جاتا ہے، لیکن نصوص شرعیہ میں وہ غیر معتبر ہیں، مگر عقوبات میں احناف کے یہاں بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

(مستفاداز: شرح عقود رسم المفتی: ۱۴۹۔۱۵۷، اصول الافتاء وآدابہ: ۲۳۳، اصول الفقہ الاسلامی للزحیلی: ۳۶۷/۱، الوجیز فی اصول الفقہ الاسلامی: ۱۵۶/۲۔۱۶۳)

مفہوم مخالف کے اعتبار پر فقہاء کے اقوال

ذیل میں شرح عقود رسم المفتی کے حوالہ سے مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

۱۔ **التحریر فی اصول الفقہ** کی شرح **التقریر و التحبیر** میں علامہ ابن امیر حاج حلبی نے ابن ہمام کے قول "**غیر معتبر فی کلام الشارع فقط**" کے بعد کہا ہے کہ شیخ جلال الدین خبازی نے ہدایہ کے حاشیہ میں شمس الائمہ کردری سے نقل کیا ہے کہ شارع کے کلام میں کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے ماسوا سے حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے، اس کے برعکس لوگوں کی باہمی گفتگو، عرف، معاملات اور دلائلِ عقلیہ میں دلالت کرتا ہے (خبازی کی عبات پوری ہوئی) اور متاخرین نے اس بات کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، اور اسی پر وہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے جو خزانۃ الاکمل اور خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے کسی سے کہا: آپ کا میرے ذمے سو درہم سے زیادہ نہیں ہے، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ذمہ صرف سو درہم لازم ہیں اس سے زیادہ لازم نہیں ہے اور اگر اس طرح کہے کہ آپ کا میرے ذمہ نہ تو سو درہم سے زیادہ ہے اور نہ ہی اس سے کم تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور اس صورت میں کچھ بھی لازم نہ ہونے سے اشکال نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ پہلے اور دوسرے جملہ میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے، التقریر کی عبارت پوری ہوئی۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۵۱)

۲۔ **النھر الفائق شرح کنز الدقائق** کی کتاب الحج میں ہے کہ

مفہومِ مخالف روایات میں بالاتفاق معتبر ہے اور صحابہ کے ارشادات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں، صاحبِ نہر نے فرمایا کہ اقوالِ صحابہ میں یہ قید بڑھانی مناسب ہے کہ وہ اقوال رائے واجتہاد سے جانے جاسکتے ہوں، وہ اقوال مراد نہیں ہیں جو رائے واجتہاد سے نہیں جانے جاسکتے ہوں (کیوں کہ صحابہ کے ایسے اقوال نصوص شرعیہ کے درجہ میں ہیں)۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۱)

علامہ ابن عابدین شامی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

صحابہ کے ایسے ارشادات جو رائے واجتہاد سے نہ جانے جاسکتے ہوں وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں اور احادیث میں مفہوم مخالف معتبر نہیں، پس صاحب نہر کی روایات سے مراد وہ باتیں ہیں جو کتب فقہیہ میں مجتہدین سے مروی ہیں، خواہ وہ مجتہدین صحابہ کرام سے مروی ہوں یا ان کے بعد کے حضرات سے، اور النہرالفائق ہی میں وضو کی سنتوں کے بیان میں ہے کہ کتب فقہیہ میں مفہومِ مخالف حجت ہے اور نصوص کے بیشتر مفہومات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۱)

۳۔ **غایۃ البیان و نادرۃ الاقران** میں جہاں صاحبِ ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ غسلِ جنابت میں عورت پر بٹی ہوئی چوٹیاں کھولنا واجب نہیں وہاں قوام الدین امیر کاتب اتقانی نے لکھا ہے کہ لفظ عورت کی قید سے مرد سے احتراز مقصود ہے، اور روایاتِ فقہیہ میں کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا بالاتفاق اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے، برخلاف نصوص کے کیوں کہ نصوص میں ہمارے نزدیک اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۲)

اور غایۃ البیان ہی میں باب جنایات الحج میں جہاں صاحبِ ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان

کیا ہے کہ جب درندہ محرم پر حملہ کرے اور وہ اس کو قتل کردے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہے اس روایت کی وجہ سے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک درندے کو قتل کیا اور ایک مینڈھے کا دم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابتداء کی تھی، اس مسئلے کی شرح کرتے ہوئے اتقانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دم دینے کی وجہ اپنی طرف سے ابتداء کرنے کو بتایا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب محرم نے قتل کرنے میں ابتداء نہ کی ہو، بلکہ درندے کے حملے کو روکنے کے لیے اس کو قتل کیا ہو تو محرم پر کوئی جزا واجب نہیں ہے، ورنہ حضرت عمر کی بیان کی ہوئی وجہ کا کوئی فائدہ باقی نہ رہے گا۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۲)

۴۔ علامہ بیری نے شرح الاشباہ میں لکھا ہے کہ

وہ بات جو ظہیریہ میں ہے وہ یہ ہے کہ مفہوم مخالف سے استدلال جائز نہیں ہے، اور یہی ہمارے علماء کی ظاہر روایت ہے، اور وہ بات جس کو امام محمد نے سیرِ کبیر میں ذکر فرمایا ہے کہ مفہومِ مخالف سے استدلال جائز ہے وہ بات ظاہر روایت کے خلاف ہے، کشف کے حواشی میں اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے فوائدِ ظہیریہ کے باب مایکرہ فی الصلوٰۃ میں دیکھا ہے کہ مفہوم سے استدلال جائز ہے، اس کو شمس الائمہ سرخسی نے سیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں مفہوم مخالف سے استدلال کے جواز پر مسائل کی بنیاد رکھی ہے، امام خصاف کا میلان بھی اسی طرف ہے، اور انھوں نے کتاب الحیل میں مسائل کا اسی پر مدار رکھا ہے، اور مصفّٰی میں ہے کہ کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کرنا اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا، ہم کہتے ہیں کہ روایاتِ فقہیہ میں اور لوگوں کی باہمی گفتگو میں اور دلائل عقلیہ میں اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ (مصفّٰی کی عبارت پوری ہوئی جو اس کی کتاب النکاح سے منقول ہے) اور خزانۃ الروایات میں ہے کہ فقہی روایت میں مذکور قید اس کے ماسوا سے اس حکم کی نفی کرتا ہے، اور فتاوی سراجیہ میں ہے کہ لوگوں کی ایسی باہمی گفتگو جس کا تعلق اطلاعات اور اخبار وغیرہ سے ہو اس میں کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا

بالیقین اس کے ماسوا سے اس حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے، سرخسیؒ نے ایسا ہی بیان کیا ہے (سراجیہ کی عبارت پوری ہوئی)۔ان عبارات کو نقل کرنے کے بعد علامہ بیری فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس پر عمل کریں گے جو السیر الکبیر میں ہے، جیسا کہ امام خصاف نے کتاب الحیل میں اس کو اختیار کیا ہے اور میں نے اس قول کی مخالفت کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور اللہ بہتر جاننے والے ہیں، بیری کی عبارت مکمل ہوئی۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٥٤)

علامہ شامی مذکورہ تمام عبارات کو نقل کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ان تمام عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ شارع کے کلام کے علاوہ میں مفہومِ مخالف کو معتبر قرار دیا گیا ہے، شارع کے کلام میں مفہوم کا اعتبار اس لئے نہیں کیا جاتا ہے کیوں کہ شارع کے کلام میں کسی چیز کا صراحتاً تذکرہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ اس کا مفاد اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہی ہو، اس لیے کہ شارع کا کلام بلاغت کا مخزن ہے، پس شارع کی مراد کبھی کچھ اور بھی ہوتی ہے، جیسے ﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللاتِي فِي حُجُوْرِكُمْ﴾ میں فی الحجور کی قید کا فائدہ بالاجماع یہی ہے کہ عام طور پر بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی اس کے دوسرے شوہر کی پرورش میں ہوتی ہے اس لئے اس قید کا ذکر کر دیا گیا، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ اگر پہلے شوہر کی بیٹی موجودہ شوہر کی پرورش میں نہ ہو تو اس سے نکاح جائز ہے، اور رہا لوگوں کا کلام تو وہ اس خوبی سے خالی ہوتا ہے، لہٰذا ان کے کلام میں مفہومِ مخالف سے استدلال کیا جائے گا، کیوں کہ لوگوں میں متعارف یہی بات ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٥٦)

مفہومِ مخالف اگر صراحت کے خلاف ہو

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

”میرا قول: ما لم يخالف لصريح ثبتا (جب تک مفہومِ مخالف کسی صریح

ثابت شدہ بات کے خلاف نہ ہو) کا مطلب یہ ہے کہ مفہومِ مخالف اس تفصیل کے مطابق جو ہم نے بیان کیا اس وقت حجت ہے جب کہ وہ کسی صریح بات کے خلاف نہ ہو، کیوں کہ صریح بات مفہوم پر مقدم ہوتی ہے، جیسا کہ طرسوسی وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور ائمہ اصول نے اس کو ترجیحِ ادلہ کی بحث میں ذکر کیا ہے، کیوں کہ جو حضرات دلائلِ شرعیہ میں مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کے قائل ہیں وہ اسی صورت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں جب کہ کوئی صریح بات اس کے خلاف موجود نہ ہو، ورنہ صریح کو مقدم کیا جائے گا اور مفہوم کو لغو قرار دیا جائے گا''۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۷)

تیرہواں اصول

مفتی کا فتوی دینے میں عرف کا اعتبار کرنا

فقہ اسلامی کا ایک اہم ماخذ اور سرچشمہ عرف و عادت ہے، قرآن، حدیث اور ان دونوں سے مستنبط شدہ فقہی مسائل میں سے بے شمار مسائل کو عرف و عادت پر مبنی رکھا گیا ہے، بالخصوص فقہ اسلامی کے وہ ابواب جن کا تعلق معاملات، معاہدات، معاشرت اور طلاق وایمان سے ہے ان میں عرف کا بڑا دخل ہے، عرف و عادت کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک فقیہ اور مفتی کے لئے اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کی عادت سے واقف ہونا انتہائی ضروری امر ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مفتی اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عرف کو چھوڑ کر ظاہر مذہب کے مطابق فتوی دیں اور فیصلہ کریں۔

(شرح عقود رسم المفتی:١٦٩)

ذیل میں عرف وعادت سے متعلق چند مباحث درج کیے جاتے ہیں

عرف وعادت کی تعریف

عرف کا اطلاق لغوی اعتبار سے کئی معانی پر ہوتا ہے، چنانچہ علم ومعرفت، صبر، عطیہ، بھلائی، بخشش، بلند اور نمایاں چیز کو عرف سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح نفس جس چیز سے مانوس و مطمئن ہو اس کو بھی عرف کہا جاتا ہے، البتہ لغت میں اس کا زیادہ تر استعمال جانی پہچانی چیز کے لئے کیا جاتا ہے۔ (عرف وعادت، اسلامک فقہ اکیڈمی:۱۶۔۱۹)

ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی عرف کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ألعرف والعادة: مااستقر فی النفوس من جهة العقول و تلقته الطباع السليمة بالقبول (عرف وہ چیز ہے جو عقلوں کی راہ سے نفوس انسانی میں جم جائے اور

طبائع سلیمہ اس کو قبول کرلیں)۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۵۸)

شیخ محمود فہمی ابوسنہ اسی تعریف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عرف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

عرف وہ امر ہے جس سے نفوس مطمئن اور آگاہ ہوں اور نفوس انسانی میں وہ جاگزیں ہو چکا ہو، عقل کے پسند کرنے کی وجہ سے نفوس اس سے مانوس ہوں اور جماعت کے ذوق سلیم رکھنے والے افراد نے اس پر ناگواری کا اظہار نہ کیا ہو۔

(العرف و العادة فی رأی الفقهاء:۸)

عادت یہ عود سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کے بار بار لوٹنے اور بغیر کسی علت کے کسی امر کے بار بار پیش آنے کو کہتے ہیں۔

علامہ ابن امیر حاج نے عادت کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے:

ألعادة هی الامر المتكرر من غير علاقة عقلية. (عادت وہ امر ہے جو کسی عقلی ربط کے بغیر بار بار پیش آئے)۔(التقریر والتحبیر:۲۸۲/۱،رسم المفتی:۱۵۸)

یعنی کسی چیز کا عقلی رشتہ کے بغیر اس طرح بار بار پیش آنا کہ طبعی امور کی طرح اس کی انجام دہی آسان ہو جائے اس کو عادت کہا جاتا ہے، اور اس چیز کے بار بار پیش آنے میں اگر کسی علت اور سبب کا دخل ہو تو اس کو عادت نہیں کہا جائے گا۔

عرف و عادت میں فرق

عرف و عادت کے مابین کوئی فرق ہے یا نہیں اور اگر فرق ہے تو کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے تین اقوال ملتے ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ عرف و عادت میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، عرف کے مقابلے میں عادت کے اندر زیادہ عموم ہے، بایں طور کہ عادت کا تعلق ایک انسان کے فعل پر بھی ہوگا اور ایک جماعت کے فعل پر بھی، جب کہ عرف کا اطلاق صرف ان اقوال و

افعال پر ہوگا جو عام لوگوں کے درمیان رائج ہوں، کسی ایک فرد کے قول وعمل پر عرف کا اطلاق نہیں ہوگا، اس قول کے اعتبار سے ہر عرف کا عادت ہونا ضروری ہے مگر ہر عادت کا عرف ہونا ضروری نہیں ہے، اسی قول کو استاذ مصطفیٰ الزرقانی نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں عموم وخصوص مطلق ہی کی نسبت ہے لیکن عادت کے مقابلہ میں عرف میں زیادہ عموم ہے، اس لئے کہ عرف کا اطلاق ان اقوال پر بھی ہوگا جو لوگوں میں رائج ہوں اور ان افعال پر بھی ہوگا جو ان میں معروف ہوں، لیکن عادت کا اطلاق صرف ان افعال پر ہوگا جو لوگوں میں رائج ہوں، ان کے درمیان مروج اقوال پر عادت کا اطلاق نہیں ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: العادۃ: اَلْعُرْفُ الْعَمَلِيُّ (عادت عرف عملی کا نام ہے) اس قول کے اعتبار سے عادت عرف ہی کی ایک قسم کہلائے گی اور ہر عادت پر عرف کا اطلاق بھی صحیح ہوگا، مگر ہر عرف پر عادت کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ عرف وعادت مفہوم کے لحاظ سے دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن مصداق اور حقیقت کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے، علامہ ابن عابدین شامی، حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی، شیخ عبدالوہاب خلاف، ڈاکٹر عبد الکریم زیدان وغیرہ کی یہی رائے ہے اور فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اسی کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ شخصی عادتوں جیسے حیض وغیرہ سے متعلق لفظ عادت کا اطلاق لغوی اعتبار سے کیا گیا ہے، اصطلاحی اعتبار سے عرف وعادت ایک ہیں اور عادت کو فعل کے ساتھ خاص ماننے کی بظاہر کوئی دلیل اور وجہ نہیں ہے۔

(محاضرات اصول فقہ: ۱۵۳، العرف والعادۃ فی رای الفقہاء: ۱۳)

عرف واجماع میں مناسبت وفرق

عرف سے قریب تر ایک لفظ اور ہے جس کو اجماع سے موسوم کیا جاتا ہے، عرف اور اجماع میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں اتفاق اور عموم پایا جاتا ہے، بالخصوص عرف عام اور

اجماع میں زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے، اس کے باوجود عرف اور اجماع کے درمیان حسبِ ذیل وجوہ سے فرق ہے:

۱۔ عرف؛ عام لوگوں کے قول وفعل سے وجود میں آتا ہے، جبکہ اجماع میں عام لوگوں کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ صرف مجتہدین کے اتفاق سے وجود میں آتا ہے۔

۲۔ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ تمام مجتہدین اس سے متفق ہوں، کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہ ہو، جبکہ عرف میں جمہور اور اکثر لوگوں کا اتفاق ہی کافی ہے۔

۳۔ اجماع سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ قطعی ہوتا ہے، جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف عرف سے ثابت شدہ حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے، بلکہ بعض دفعہ عرف بدلنے کی وجہ سے حکم میں تبدیلی کرنا واجب ہوتا ہے۔

۴۔ اجماع نص کے مقابلے میں بھی معتبر ہے، اس لیے کہ وہ خود دلیل قطعی ہے، لیکن عرف نص کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہے، بایں طور کہ اگر عرف نص سے اس طرح معارض ہو جائے کہ دونوں میں سے صرف ایک ہی پر عمل ہوسکتا ہو تو بالاتفاق عرف کو چھوڑ کر نص پر عمل کریں گے۔

۵۔ اجماع صرف ایک مرتبہ کے اتفاق کر لینے سے عمل میں آجاتا ہے، جب کہ عرف کے معتبر ہونے کے لیے تکرار و استمرار لازم ہے۔

۶۔ جب ایک بار کسی مسئلہ پر اجماع منعقد ہوگیا تو اب اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، لیکن عرف کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ کسی معاملہ کی بابت عرف کے پائے جانے کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

(مستفاد از محاضرات اصول فقہ، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:۱۵۴)

عرف وعادت کے معتبر ہونے کے دلائل

عرف وعادت کے معتبر ہونے کا ثبوت قرآن سے بھی ملتا ہے اور حدیث سے بھی، اس

کے معتبر ہونے پر امت کا اجماع بھی ہے اور قیاس بھی اس کا متقاضی ہے:

۱۔ عرف کے معتبر ہونے پر سب سے واضح آیت یہ ہے ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَه رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة:۲۳۳) (اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر لازم ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے) اس آیت میں معروف سے مراد کھانے اور لباس کا وہ خرچہ ہے جو اس معاشرہ میں دودھ پلانے والی عورتوں کو دیا جاتا ہے۔

(العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب الباحثين:١٢٢)

۲۔ عرف کے معتبر ہونے پر بخاری شریف کی درج ذیل حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ نے کہا اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں اور مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتے ہیں جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو، مگر جو مال ان کو بتائے بغیر میں لے لوں، تو کیا میرے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ﴿خُذِی مِنْ مَالِهٖ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيْكِ وَ يَكْفِي بَنِيكِ﴾ (مسلم، كتاب الاقضية:١٧١٤ ،بخارى:٥٣٦٤) (تم اپنے شوہر کے مال میں سے معروف طریقے پر اتنا مال لے لو جو تیرے اور تیرے بیٹے کے لئے کافی ہو جائے) اس حدیث میں لفظ معروف سے نفقہ کی وہ مقدار مراد ہے جو معاشرہ میں ان جیسے زوجین کے درمیان رائج ہو، پس اس حدیث سے بھی عرف کا ثبوت ملتا ہے۔

(العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب الباحثين:١٢٤)

۳۔ عرف کے معتبر ہونے پر امت کا اجماع بھی ہے، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: جہاں تک اجماع کی بات ہے تو حقیقت یہ ہے کہ فی الجملہ عرف وعادت کے معتبر ہونے پر فقہاء کا اجماع واتفاق بھی پایا جاتا ہے، شاید ہی کوئی قابل ذکر عالم ہو جس نے عرف وعادت کو بالکل نامعتبر مانا ہو۔ (محاضرات اصول فقہ:۱۶۲)

ذیل میں شرح عقود رسم المفتی کے حوالہ سے عرف کے معتبر ہونے پر چند اہم فقہاء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

علامہ قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں کہ

تحقیقی بات یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم کھانے والے، منت ماننے والے اور عقد کرنے والے کے الفاظ اس کی گفتگو میں اور اس کی زبان میں جسے وہ بولتا ہے اس کے عرف پر محمول کیے جائیں گے، خواہ وہ معنی عرب اور شارع کی لغت کے موافق ہو یا موافق نہ ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۷۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ علماء کرام بسا اوقات ترجیح دیے بغیر محض اقوال نقل کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی ان حضرات میں تصحیح کے سلسلے میں اختلاف ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں مفتی حضرات کو کیا کرنا چاہیے؟ تو میں یہ جواب دوں گا کہ یہ مفتی بھی وہی کام کرے جو اس سے پہلے کے علماء کرتے ہوئے آرہے ہیں، یعنی اس مسئلہ کی بابت عرف اور لوگوں کے احوال کی تبدیلی کا اعتبار کرے، اور اس قول کو لے جس میں لوگوں کے لیے نرمی ہو، اور جس پر لوگوں کا عرف ہو، اور جس کی دلیل مضبوط ہو، اور دنیا کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی جو ان باتوں میں واقعی امتیاز کر سکتے ہیں، میرا یہ خیال محض خود فریبی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور جو امتیاز نہیں کر سکتا وہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرے جو امتیاز کر سکتے ہیں، تا کہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۷۱)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کا عرف جانتا ہو، اہلِ زمانہ کے احوال سے واقف ہو اور اس سلسلہ میں اس نے کسی ماہر استاذ کی تربیت میں رہ کر واقفیت

بھی حاصل کی ہو۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۶۹)

علامہ زین الدین ابن نجیم فرماتے ہیں:

یہ بات جان لیں کہ بہت سے مسائل میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل اصول قرار دیا گیا ہے، چناں چہ علماء کہتے ہیں کہ لفظ کے حقیقی معنی استعمال اور عرف وعادت کے قرینے سے چھوڑ دیے جائیں گے۔

(الاشباہ والنظائر:۲۶۸،العادۃ محکمۃ،یعقوب بن عبدالوھاب:۲۶۸)

منیة المفتی کے آخر میں لکھا ہے کہ

اگر کسی شخص کو ہمارے ائمہ کی تمام کتابیں یاد ہوں اس کے باوجود فتوی دینے کے لیے شاگردی ضروری ہے، تاکہ فتوی دینے کی راہ اس کی سمجھ میں آئے، اس لیے کہ بہت سے مسائل میں اہلِ زمانہ کی اس عادت کے مطابق جواب دیا جاتا ہے جو عادت شریعت کے خلاف نہیں ہوتی ہے۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۶۹)

قنیة المنیه لتتمیم الغنیه میں ہے کہ

مفتی اور قاضی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عرف کو چھوڑ کر ظاہر روایت کے مطابق فیصلہ کرے۔(شرح عقود رسم المفتی:۱۶۹)

۴۔ عرف کے معتبر ہونے پر عقل وقیاس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اگر عرف وعادت کا اعتبار نہ کیا جائے تو انسان حرج وتنگی میں پڑ جائے گا، کیوں کہ ہر انسان اپنے یہاں کے عرف وعادت کے مطابق کلام کرتا ہے اور انھیں کے مطابق عقد بھی کرتا ہے اور شریعت کا اصول ہے﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸) (اور اللہ نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی) پس اس اصول کے پیش نظر عرف کو غیر معتبر قرار دینا مزاج شریعت کے خلاف ہوگا۔

(محاضرات اصول فقہ،فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:۱۶۲)

عرف قولی وعرف عملی کا بیان

موضوع اور محل کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک عرف قولی ہے جس کو عرف لفظی بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا عرف عملی ہے جس کو عرف فعلی بھی کہا جاتا ہے، ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کسی لفظ یا کلام کا لوگوں کے درمیان کسی خاص معنی میں اس طرح مروج ہو جانا کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو کسی قرینہ اور عقلی دلیل کے بغیر اس سے وہی خاص معنی سمجھ میں آئے اس کو عرف قولی کہا جاتا ہے۔

(العرف والعادة فی رای الفقهاء:۱۸،العادة محكمة،یعقوب بن عبدالوهاب:۳۷)

عرف عملی اور فعلی سے مراد لوگوں کا وہ خاص عمل ہے جس کو تمام لوگ یا اکثر لوگ بار بار کرتے ہوں، بالفاظ دیگر: کسی عمل کے بارے میں لوگوں کا وہ طریقہ جسے رواج عام حاصل ہو چکا ہو اس کو عرف عملی یا عرف فعلی کہا جاتا ہے۔

(العادة محكمة:۳۷،العرف والعادة فی رای الفقهاء:۱۸)

شرعی نصوص اور فقہاء کے اقوال سے عرف قولی اور عرف عملی دونوں کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ ان دلائل کا تذکرہ ''عرف کے معتبر ہونے کے دلائل'' کے تحت ہوا، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنے مقالے (فقہ اسلامی میں عرف وعادت کی اہمیت اور اس کے معتبر ہونے کے اصول وشرائط) میں چاروں دبستان فقہ کے حوالہ سے عرف قولی وعرف عملی کے معتبر ہونے پر تفصیل سے کلام کیا ہے جس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: محاضرات اصول فقہ: ۱۶۷۔۱۷۹)

عرف عام وعرف خاص کا بیان

وسعت اور رواج کے اعتبار سے بھی عرف کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک کا نام عرف عام اور دوسرے کا نام عرف خاص ہے، ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

عرف عام اس قول وفعل کا نام ہے جو تمام اسلامی علاقوں کے تمام یا اکثر لوگوں میں رائج ہو، جیسے کہ بیع استصناع کا عرف، اجرت دیکر حمام میں غسل کرنے کا عرف اور لفظ حرام کو طلاق کے لئے استعمال کرنے کا عرف۔

(العرف والعادة فی رای الفقهاء:۱۹،العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب:۴۰، ۴۱)

اکثر فقہاء نے عرف عام کی یہی تعریف ذکر کی ہے، لیکن فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کافی بحث وتحقیق کے بعد اس تعریف کو رد کرتے ہوئے درج ذیل تعریف کی ہے: ایک ملک کے مختلف شہروں، علاقوں اور طبقوں کے مشترکہ رواج کا نام عرف عام ہے۔

(محاضرات اصول فقہ:۱۵۶، ۱۵۷)

عرف خاص اس قول وفعل کا نام ہے جو تمام شہروں میں رائج نہ ہو بلکہ کسی خاص شہر یا کسی مخصوص جماعت تک ہی اس کا رواج محدود ہو۔

(العرف والعادة فی رای الفقهاء:۱۹،العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب:۴۲)

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی رقمطراز ہیں: عرف خاص اس قول وفعل کا نام ہے جو ایک شہر، ایک طبقہ یا ایک پیشہ کے لوگوں میں رائج ہو۔ (محاضرات اصول فقہ:۱۵۸)

عرف عام وعرف خاص کا اعتبار

عرف عام وعرف خاص کے اعتبار وعدم اعتبار پر علامہ شامی نے شرح عقود رسم المفتی اور نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف میں تفصیل سے کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ نصوص شارع سے اگر عرف کا تعارض نہ ہو تو بالاتفاق عرف کی دونوں قسمیں یعنی عرف عام اور عرف خاص دونوں معتبر ہیں۔

اعلم ان العرف نوعان: عام و خاص، و كل منهما اما ان يوافق الدليل الشرعی و المنصوص عليه فی كتب ظاهر الرواية أو لا، فان وافقهما فلا كلام. (نشر العرف فی بناء بعض الاحكام على العرف:۶۴)

۲۔ نصوص شارع سے اگر عرف کا تعارض اس طرح ہو جائے کہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک لازم آتا ہو تو بالاتفاق عرف کی دونوں قسمیں یعنی عرف عام اور عرف خاص دونوں غیر معتبر ہیں۔

فاما ان يخالف الدليل الشرعي أو المنصوص عليه في المذهب.... فان خالفه من كل وجه بان لزم منه ترك النص فلا شك في رده. (نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف:٦٤،٦٥)

۳۔ نصوص شارع سے اگر عرف کا تعارض اس طرح ہو کہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک لازم نہ آتا ہو بلکہ نص میں تخصیص ہوتی ہو تو عرف عام بالاتفاق معتبر ہے اور اس سے نص میں تخصیص کرنا جائز ہے۔

وان لم يخالفه من كل وجه بان ورد الدليل عاما والعرف خالفه في بعض افراده او كان الدليل قياسا فان العرف معتبر اِن كان عاما،فان العرف العام يصلح مخصصا...و يترك به القياس...وان كان العرف خاصافانه لايعتبر و هو المذهب. (نشر العرف:٦٥،٦٦)

۴۔ نصوص شارع سے اگر عرف کا تعارض اس طرح ہو کہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک لازم نہ آتا ہو بلکہ نص میں تخصیص ہوتی ہو تو عرف خاص سے نص میں تخصیص جائز ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عرف عام سے نص میں تخصیص جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ایک علاقہ کا عرفِ خاص نص میں تخصیص کا متقاضی ہے تو دوسرے علاقہ میں اس عرف کا نہ ہونا اس نص میں عدمِ تخصیص کو چاہتا ہے، پس شک کی وجہ سے نص کے عمومی حکم میں تخصیص کرنا جائز نہیں ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

آپ جان لیجئے کہ عرف کی دو قسمیں ہیں: عرفِ عام اور عرفِ خاص، عرف عام سے

عام حکم ثابت ہوتا ہے اور وہ قیاس اور حدیث کے لیے مخصص بن سکتا ہے، اور عرفِ خاص کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیوں کہ اس سے حکمِ خاص ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ قیاس یا حدیث کے خلاف نہ ہو، کیوں کہ عرفِ خاص مخصص نہیں بن سکتا، ذخیرہ میں کتاب الاجارہ کی آٹھویں فصل میں جہاں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ ''اگر کسی نے کتا ہوا سوت کپڑا بننے والے کو دیا کہ وہ تیار کپڑے کا تہائی لے کر کپڑا بن دے''، وہاں صاحبِ ذخیرہ نے لکھا ہے کہ: بلخ کے فقہاء جیسے نصیر بن یحییٰ، محمد بن سلمہ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات کپڑوں میں اس اجارہ کو جائز کہتے ہیں ان کے علاقے میں کپڑوں کی بنائی میں اس کا تعامل ہونے کی وجہ سے، اور تعامل ایک ایسی حجت ہے کہ اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور روایت میں تخصیص کر لی جاتی ہے، اور کپڑوں کی بنائی میں تعامل کی وجہ سے اس اجارہ کو جائز قرار دینے کا مطلب اس حدیث میں تخصیص کرنا ہے جو قفیزِ طحان کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اس لیے کہ وہ حدیث آٹا پیسنے والے کے پیمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہے، کپڑا بننے والے کے بارے میں وارد نہیں ہوئی، مگر کپڑا بننے والا اس کی نظیر ہے، اس لیے وہ حدیث دلالۃً اس کے بارے میں بھی ہوگی، پھر جب ہم نے کپڑا بننے والے کے حق میں اس حدیث پر عمل نہ کیا اور قفیز طحان کے بارے میں اس حدیث پر عمل کیا تو یہ حدیث میں تخصیص ہوئی حدیث کو بالکل چھوڑ نا نہ ہوا، اور تعامل کی وجہ سے حدیث کی تخصیص جائز ہے، دیکھیے ہم تعامل کی وجہ سے استصناع کو جائز کہتے ہیں، حالاں کہ اس میں ایسی چیز کا بیچنا ہے جو بائع کے پاس نہیں، اور ایسی چیز کے بیچنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اور تعامل کی وجہ سے استصناع کو جائز قرار دینا اس حدیث میں تخصیص کرنا ہے جو اس چیز کو بیچنے کی ممانعت کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو آدمی کے پاس نہیں ہے، حدیث کو بالکل چھوڑ نا نہیں ہے، کیوں کہ ہم استصناع کے علاوہ دیگر جزئیات میں اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، علماء نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ بات اس صورت سے بالکل مختلف ہے جب کسی علاقے میں قفیزِ طحان ہی کا رواج ہو جائے تو وہ جائز نہ ہوگا، اور ان لوگوں کا معاملہ معتبر

نہ سمجھا جائے گا، اس لیے کہ اگر ہم ان کے معاملے کو معتبر مان لیں تو حدیث کو بالکلیہ چھوڑنا ہوگا، اور تعامل کی وجہ سے حدیث کو چھوڑنا قطعاً جائز نہیں، صرف اس میں تخصیص جائز ہے۔

(صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں) لیکن ہمارے علماء نے اس تخصیص کو (جو مشائخ بلخ نے کی ہے) جائز نہیں قرار دیا، کیوں کہ کپڑوں کی بنائی کا یہ معاملہ ایک خاص علاقے کے لوگوں کا معاملہ ہے، اور ایک علاقے کے لوگوں کا تعامل حدیث میں تخصیص پیدا نہیں کرتا، اس لیے کہ ایک علاقے کے لوگوں کا تعامل اگر تخصیص کو چاہے گا تو دوسرے علاقے میں اس کا عدمِ تعامل تخصیص کو روک دے گا، پس شک کی وجہ سے تخصیص ثابت نہ ہوگی، اور استصناع کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیوں کہ وہ تمام علاقوں کا تعامل ہے۔

(نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف:٦٤۔٧٠)

امام زین الدین ابن نجیم فرماتے ہیں:

والحاصل أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص و لكن أفتى كثير من المشايخ باعتباره. (الاشباہ والنظائر:٢٨٦)

(خلاصہ یہ ہے کہ مذہب عرف خاص کا معتبر نہ ہونا ہے، لیکن اکثر فقہاء نے عرف خاص کے معتبر ہونے کا فتوی دیا ہے)

لیکن اکثر فقہاء کے یہاں عرف خاص سے بھی نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے اور جنہوں نے عرف خاص کو غیر معتبر قرار دیا ہے ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عرف خاص سے عام حکم ثابت نہیں ہوگا، عرف خاص سے خاص حکم ثابت ہوسکتا ہے اور نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

مشائخ حنفیہ کی ایک بڑی تعداد کی رائے یہ ہے کہ عرف خاص سے نص میں تخصیص ہوسکتی ہے، البتہ عرف خاص کا اعتبار صرف انہیں احکام میں کیا جائے گا جو صرف اسی عرف والوں سے متعلق ہوں اور جنہوں نے عرف خاص کو غیر معتبر قرار دیا ہے ان کا بھی یہی قول

ہے کہ عرف خاص سے عام حکم ثابت نہیں ہوگا،اور فقہاء کے اسی قول سے علامہ حموی نے مفہوم مخالف کے طور پر یہ استدلال کیا ہے کہ عرف خاص سے خاص حکم ثابت ہوسکتا ہے۔

(عرف وعادت،اسلامک فقہ اکیڈمی:۳۳۔۳۴)

امام ابن عابدین شامی کی درج ذیل عبارت بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

فان قلت:اذا کان علی المفتی اتباع العرف وان خالف المنصوص علیه فی کتب ظاهر الروایة،فهل هنا فرق بین العرف العام والعرف الخاص کما فی القسم الاول،وهو ما خالف فیه العرف النص الشرعی؟قلت:لا فرق بینهما هنا الا من جهة ان العرف العام یثبت به الحکم العام والعرف الخاص یثبت به الحکم الخاص.و حاصله ان حکم العرف یثبت علی اهله عاما او خاصا فالعرف العام فی سائر البلاد یثبت حکمه علی اهل سائر البلاد والخاص فی بلدة واحدة یثبت حکمه علی تلک البلدة فقط،ولهذا قال العلامه السید الحموی فی حاشیته علی الاشباه مانصه:قوله الحکم العام لا یثبت بالعرف الخاص یفهم منه ان الحکم الخاص یثبت بالعرف الخاص.

(نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف:۱۲۴،رسائل ابن عابدین:۱۳۱/۲،۱۳۲)

(اگر تم کہو کہ جب مفتی پر عرف کی اتباع واجب ہے گو ظاہر روایت کی صراحت کے خلاف ہو،تو کیا اس مسئلہ میں بھی عرف عام وعرف خاص میں اسی طرح کا فرق ہے جو پہلی صورت میں ہے،یعنی اس صورت میں جبکہ عرف نص کے خلاف ہو؟ تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں عرف عام وعرف خاص کے درمیان اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ عرف عام سے حکم عام اور عرف خاص سے حکم خاص ثابت ہوگا،حاصل یہ ہے کہ عرف کا حکم اہل عرف پر ثابت ہوگا خواہ وہ عام ہو یا خاص،پس عرف عام کا حکم تمام علاقوں میں وہاں کے رہنے

والوں کے لئے ہوگا اور عرف خاص کا حکم ایک شہر میں اس شہر کے باشندوں سے متعلق ہوگا، اسی لئے علامہ سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مصنف کے قول **الحکم العام لا یثبت بالخاص** کا مفہوم یہ ہے کہ عرف خاص سے خاص حکم ثابت ہوسکتا ہے)۔

۴۔ عرف عام یا عرف خاص اگر ظاہر روایت کے خلاف ہو اور ظاہر روایت کا وہ مسئلہ کسی صریح نص سے ثابت نہ ہو تو ایسی صورت میں عرف عام اور عرف خاص دونوں کی وجہ سے ظاہر روایت کو چھوڑ دیا جائے گا اور عرف پر عمل کیا جائے گا، علامہ ابن عابدین شامی کی بھی یہی رائے ہے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے منعقدہ سمینار میں تقریبا چالیس مقالہ نگار نے اس رائے کی تائید کی ہے۔

(محاضرات اصول فقہ:۱۸۳، عرف وعادت، اسلامک فقہ اکیڈمی:۶۲)

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فهذه النقول و نحوها دالة على اعتبار العرف الخاص و ان خالف المنصوص عليه فى كتب المذهب ما لم يخالف النص الشرعى كماقدمناه.

(نشر العرف فى بناء بعض الاحكام على العرف:۱۲۸)

(پس یہ اور ان جیسی عبارتیں عرف خاص کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، گرچہ وہ عرف مذہب کی کتابوں میں ذکر کردہ کسی صریح قول کے خلاف ہو، جب کہ وہ عرف نص شرعی کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا)۔

۵۔ عرف اور قیاس میں تعارض ہونے کی صورت میں عرفِ عام پر بالاتفاق عمل کیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا، مگر عرفِ خاص کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، لیکن مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

اگر عرفِ خاص کو معتبر تسلیم کیا جائے اور قیاس ایسی علت پر مبنی نہ ہو جس کے علت ہونے کی صراحت نص میں وارد ہو تو پھر عرفِ خاص کی بنا پر بھی ترک قیاس کو درست ہونا

چاہئے، علماء بلخ اور مشائخ خوارزم وغیرہ نے عرف خاص کی جن صورتوں کا اعتبار کیا ہے ان میں نصوص کی تخصیص بھی ہورہی ہے تو ترکِ قیاس تو تخصیص نص سے بہر حال کمتر ہے۔
(محاضرات اصول فقہ:۱۸۹)

عرف صحیح وعرف فاسد کا بیان

معتبر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک کا نام عرف صحیح اور دوسرے کا نام عرف فاسد ہے، دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

کسی قول وفعل کی بابت ایسا عرف و عادت جو نصوص شرعیہ اور شرعی اصول وقواعد کے خلاف نہ ہو اس کو عرف صحیح کہا جاتا ہے اور کسی قول وفعل کی بابت ایسا عرف و عادت جو نصوص شرعیہ اور شرعی اصول وقواعد کے خلاف ہو اس کو عرف فاسد کہا جاتا ہے۔
(المدخل لدراسة الشريعة الاسلاميه:۱۹۵،العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب:٤٤)

واضح ہو کہ شریعت میں اسی عرف کا اعتبار کیا گیا ہے جو نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو، اگر کوئی عرف اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرے یا حلال کردہ چیز کو حرام کرے تو ایسے عرف کا اعتبار نہیں ہوگا، مثلاً شراب پینے کا عرف، حرام کھانے کا عرف، وغیرہ۔
(المدخل لدراسة الشريعة الاسلاميه:۱۹۵،العادة محكمة،يعقوب بن عبدالوهاب:٤٥)

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں

شریعت میں عرف کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں:

۱۔ وہ عرف کلی یا اکثری ہو، کلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ میں سو فیصد اس عرف پر عمل ہوتا ہو اور اکثری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سماج میں اکثر واقعات میں اس عرف پر عمل ہوتا ہو۔

۲۔ معاملہ کے وقت عرف موجود رہا ہو، پس اگر معاملہ کے وقت عرف نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے کسی زمانہ میں تھا، یا جب معاملہ قاضی کے پاس پہنچا تو اس طرح کا عرف

پیدا ہو چکا تھا تو ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے (یعنی عرف قارِن کا اعتبار ہوگا، عرف سابق اور عرف طاری کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

۳۔ معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو، لہذا معاملہ یا معاہدہ کرتے وقت اگر فریقین نے عرف کے خلاف کوئی صراحت کردی اور وہ مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں عرف کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ صراحت کے مطابق عمل ہوگا۔

۴۔ عرف کے معتبر ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اس عرف کو اختیار کرنے کی صورت میں شریعت کی کوئی نص یا شریعت کا کوئی قطعی اصول معطل نہ ہوتا ہو، ورنہ عرف کو چھوڑ کر نص پر عمل کریں گے، اس لیے کہ نصِ شریعت کے مقابلے میں عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

(انظر الاشباہ والنظائر: ۲۷۱ ـ ۲۹۲، العرف لابی سنه: ٥٦ ـ ٦٥)

چودہواں اصول

مفتی کا ضعیف قول پر فتوی دینا

کتاب کے شروع میں پہلے ضابطہ کے تحت علامہ قاسم بن قطلو بغا اور دیگر فقہاء کے حوالہ سے یہ بات نقل کی جاچکی ہے کہ جن مسائل میں فقہاء کے مختلف اقوال ہوں تو ایسے مسائل میں مفتی اس قول کے مطابق فتوی دے گا جس کو اصحاب الترجیح نے راجح قرار دیا ہو مفتی کے لئے مرجوح اور ضعیف قول کے مطابق فتوی دینے کی اجازت نہیں ہے، لیکن چند صورتیں ایسی ہیں جن میں مفتی اور عمل کرنے والے دونوں کے لئے مرجوح اور ضعیف قول کے مطابق فتوی دینے اور عمل کرنے کی اجازت ہے اور وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: انسان کا مجبور ہونا

جو شخص اس قدر مجبور ہو جائے کہ اس کے لئے راجح قول پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہو اور ضعیف قول پر عمل کرنے کی وجہ سے اس کو یک گونہ سہولت اور آرام ملتا ہو تو ایسے مضطر شخص کے لئے مرجوح اور ضعیف قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے اور ایسے شخص کو مفتی حضرات بھی ضعیف قول کے مطابق فتوی دے سکتے ہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۸۰)

اس کی مثال یہ ہے کہ منی جب اپنے مستقر سے شہوت کے ساتھ نکلے تو احناف کے راجح قول کے مطابق اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ شرم گاہ سے نکلتے وقت شہوت ہو یا نہ ہو، اس کے برعکس امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ عضو سے نکلتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بنے اور بدخوابی ہونے کی وجہ سے غسل کرنے کی صورت میں اسے تہمت کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کو امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے، یعنی اس کے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ جیسے ہی اسے بدخوابی

کا احساس ہو فوراً اپنی شرم گاہ کو پکڑ لے اور شہوت ختم ہونے کے بعد اس کو چھوڑے، تا کہ خروج منی کے وقت اسے شہوت نہ رہے اور اس پر غسل واجب نہ ہو سکے، حالاں کہ یہ قول احناف کے راجح قول کے خلاف ہے اس کے باوجود مجبوری کی صورت میں اس پر عمل کی اجازت دی گئی ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۷۸)

مضطر کے لئے ضعیف قول پر عمل کی اجازت کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن نجیم نے البحر الرائق میں حیض کے خون کی رنگوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معراج الدرایہ میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مفتی ضرورت کی جگہوں میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دے تو یہ اچھی بات ہوگی۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۰)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

اور اس قول سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مجبور آدمی اپنے ذاتی عمل کے معاملے میں ضعیف قول پر عمل کر سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مفتی مجبور شخص کو ضعیف قول کے مطابق فتویٰ بھی دے سکتا ہے، لہذا اس سے پہلے جو اصول بیان ہوا کہ ''ضعیف قول پر کسی کے لیے نہ تو عمل کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی فتوی دینے کی اجازت ہے'' تو وہ اصول ضرورت کے علاوہ دیگر مواقع کے لئے ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۰)

دوسری صورت: کفر کا حکم لگانے میں احتیاط کرنا

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

کفر کا معاملہ بہت نازک ہے، اس لئے کسی بات پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، چنانچہ فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے

کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جا سکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو، تو وہی معنی مراد لیکر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں اور بعض کفر نہیں قرار دیتے، تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو جو اسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی ازراہِ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جائے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے۔

(مقدمہ کتاب الفتاوی: ۱/۱۷۷)

علامہ شامی ابن نجیم مصری کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کو اچھی صورت پر محمول کرنا ممکن ہو، یا اس کے سبب کفر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو، گو اس سلسلہ میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو اس شخص کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۳۱)

تیسری صورت: مفتی کا اپنے مذہب میں ماہر ہونا

جو مفتی اس قدر ماہر اور ذی رائے ہو کہ وہ مذہب کے کسی ضعیف قول کو قوت دلیل کی بنیاد پر ترجیح دے سکتا ہو تو اس کے لئے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے ہوئے اسی ضعیف قول پر عمل کرنا لازم ہوگا، کیوں کہ جو لوگ اجتہاد میں تجزی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مفتی کے لئے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

علامہ بیری کی شرح الاشباہ میں ہے:

کیا کسی انسان کے لئے اپنی ذات کے حق میں (یعنی خود اپنے لئے) ضعیف قول پر عمل کرنا جائز ہے؟ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ہاں جائز ہے جبکہ مفتی ذی رائے ہو، اور اگر عام آدمی ہو تو میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا، لیکن جواز کو ذی رائے کے ساتھ مقید کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے اس کی اجازت نہ ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۸۱)

خزانۃ الروایات میں ہے:

وہ عالم جو نصوص و اخبار کے معانی سے واقف ہو اور اہل درایت میں سے ہو تو اس کے لئے ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے اگر چہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۱)

قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا

مفتی کے لئے بعض صورتوں میں گرچہ ضعیف اور مرجوح قول پر بھی فتوی دینے کی اجازت ہے، لیکن قاضی حضرات بہر صورت مذہب کے راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں، خاص طور سے ہمارے زمانہ کے قاضی، اس لئے کہ انھیں عہدۂ قضاء سونپتے وقت ہی اس بات کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ وہ مذہب کے مشہور قول کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوں گے، لیکن بالفرض اگر کسی مسئلہ میں قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کر دیں تو ان کا یہ فیصلہ فریقین پر لازم نہیں ہوگا۔

علامہ قاسم بن قطلو بغا کے فتاوی میں ہے:

مقلد قاضی کے لیے ضعیف قول پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے، پس وہ کسی نامناسب مقصد ہی کی وجہ سے صحیح قول سے عدول کرے گا اور اگر کوئی قاضی فیصلہ کر دے تو وہ نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کہ قاضی کا یہ فیصلہ ناحق فیصلہ ہے، کیوں کہ حق صحیح قول ہی ہے (یعنی حق فیصلہ وہ ہے جو راجح اور صحیح قول کے مطابق ہو) اور وہ بات جو منقول ہے کہ ضعیف قول فیصلے کی وجہ سے قوی ہو جاتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت اپنی جگہ میں کی گئی ہے، یہ مقام اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۶)

پندرہواں اصول

دوسرے مذہب پر فتوی دینا

مقلد مفتی پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے مذہب کے راجح قول پر ہی فتوی دے، اس کے لئے اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر فتوی دینا جائز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مستفتی اس مفتی کے پاس اس لئے آتا ہے تاکہ وہ اس متعلقہ مسئلہ میں یعنی اپنے امام کے مذہب کو جان کر اس کے مطابق عمل کرے، پس مفتی پر بھی لازم ہوگا کہ وہ اپنے اور مستفتی کے مذہب کے مطابق ہی فتوی دے، البتہ تین صورتیں ایسی ہیں جہاں اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کے امام کے قول پر عمل کرنا، فتوی دینا اور فیصلہ کرنا جائز ہے اور وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: ضرورت کی بنیاد پر فتوی دینا

وہ مخصوص حالات جن میں اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز ہے ان میں سے پہلی صورت ضرورت، سخت دشواری، حرج و تنگی اور ابتلاء عام کی ہے، یعنی جب اپنے مذہب کے کسی خاص مسئلہ میں ایسی تنگی ہو کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ سے ناقابل برداشت تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہو تو اس تنگی کو دور کرنے اور مستفتی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ضعیف قول پر فتوی دینا جائز ہے۔ (اصول الافتاء وآدابہ: ۲۴۴)

واضح ہو کہ یہاں ضرورت سے مراد وہ معروف صورت نہیں ہے جس کو فقہاء اضطرار سے تعبیر کرتے ہیں، بلکہ یہ اضطرار سے کم درجہ کی حالت ہے جس کی وجہ سے آدمی سخت مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگرچہ جان یا عضو کے جانے کا خطرہ نہیں ہوتا۔

(محاضرات اصول فقہ: ۳۶۵، جدید فقہی مباحث، معروف بہ مقالات اسعدی: ۲۴۲/۳)

دوسری صورت: مفتی کا اپنے مذہب میں ماہر ہونا

دوسری حالت جس میں اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مفتی اپنے مذہب کا ماہر ہو، دلائل کی خوب معرفت رکھتا ہو، قرآن وسنت پر اس کی گہری نظر ہو اگرچہ وہ درجۂ اجتہاد پر فائز نہ ہو، لیکن وہ اگر کسی صحیح حدیث کی واقفیت حاصل کرلے جس کی اپنے معنی پر دلالت بھی بالکل واضح ہو اور اسے اس حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کی کوئی مضبوط دلیل نہ ملے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مجتہد کے قول کو اختیار کرلے جس کا عمل اس حدیث پاک کے مطابق ہے، لیکن اس کے لیے بلاضرورت اس قول پر فتوی دینا جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد از اصول الافتاء وآدابہ ۲۵۹، محاضرات اصول فقہ: ۳۴۹)

تیسری صورت: مجتہد قاضی کا مذہب غیر کے مطابق فیصلہ کرنا

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں:

مذہب غیر کے مطابق افتاء کے جواز کی تیسری صورت یہ ہے کہ حاکم کسی ایسے شخص کو عہدۂ قضاء سونپ دے جو مجتہد ہو اور عہدۂ قضاء سونپتے وقت اس قاضی کو کسی متعین مذہب کی پیروی کا پابند نہ بنائے، پھر وہ قاضی کسی مسئلہ کی بابت ایسا فیصلہ کرے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو اس کا یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا، بشرطیکہ وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہو، لہذا اگر کسی مفتی سے قاضی کے ایسے فیصلوں کی بابت سوال کیا جائے تو مفتی ایسے فیصلوں کے نفاذ کا فتوی دے گا، اگرچہ قاضی کا وہ فیصلہ اس مفتی کے مذہب کے خلاف ہو، اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاکم کا حکم اور قاضی کا فیصلہ سابقہ اختلاف کو ختم کردیتا ہے (یعنی جب مسئلہ مجتہد فیہ ہو اور قاضی کوئی فیصلہ کردے تو فریقین کے لیے اس پر عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے)۔(اصول الافتاء وآدابہ للعثمانی: ٢٦٣)

اہم عربی مصادر ومراجع

کتاب کی ترتیب میں درج ذیل عربی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

أسباب عدول الحنفيه عن الفتيا بظاهر الروايه،ا.د لؤی عبدالرؤوف خليل الخليلی،دار الفتح،الطبعة الثانيه.

أصول الافتاء و آدابه،المفتی محمد تقی العثمانی،دار القلم دمشق.

أصول الفتوی والقضاء فی المذهب المالكی،الدكتور محمد رياض.

أصول الفقه الاسلامی.الدكتور وهبه زحيلی.دار الفكر دمشق.

أصول الفقه.ألاستاذ محمد ابوزهره.دار الفكر العربی القاهره.

إعلام الموقعين عن رب العالمين،ابوعبدالله محمد بن ابی بكر المعروف بابن قيم الجوزی،دار ابن الجوزی،المملكة السعوديه.

ألاحكام فی تمييز الفتاوی عن الاحكام و تصرفات القاضی والامام،ابوالعباس احمد بن ادريس القرافی،تحقيق:عبدالفتاح ابوغده،مكتب المطبوعات الاسلاميه حلب.

ألتقرير والتحبير علی التحرير فی أصول الفقه،المحقق ابن اميرحاج الحلبی،دار الكتب العلميه بيروت لبنان.

ألحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی،جمال الدين احمد بن محمود الغزنوی،تحقيق:الدكتورصالح العلی،دار النوادر بيروت لبنان.

ألعادة محكمة،الدكتور يعقوب بن عبدالوهاب الباحسين،مكتبة الرشد رياض.

ألعرف والعادة فی رأی الفقهاء،احمد فهمی أبوسنه،مطبعة الازهر.

ألفتوى اهميتها،ضوابطها،آثارها،الدكتور محمد يسرى ابراهيم.
ألـفتيـا و مناهج الافتاء،الدكتور محمد سليمان عبدالله الاشقر،مكتبة المنار الاسلاميه،كويت.
ألـفتـوى نشأتها و تطورها،أصولها و تطبيقاتها،الدكتور الشيخ حسين محمد الملاح،المكتبة العصريه بيروت.
ألـفـقيــه والـمتـفـقــه،ابـوبـكــراحــمــد بن علـى بن ثـابــت الخطيـب البغدادى،تحقيق:ابوعبدالرحمن عادل بن يوسف،دار ابن الجوزى دمام.
ألفقه الاسلامي و أدلته،الدكتور وهبه زحيلى.دار الفكر دمشق.
ألـمـدخـل الـمـفـصـل الـى الـفـقه الحنفى،الدكتور صلاح محمد أبو الحاج،دار الفتح للدراسات والنشر عمان الاردن.
ألـمذهب الحنفى؛مراحله و طبقاته،ضوابطه و مصطلحاته،خصائصه و مؤلفاته،احمد بن محمد نصير الدين النقيب،مكتبة الرشد الرياض.
ألـمـصباح فى رسم المفتى و مناهج الإفتاء،المفتى محمدكمال الدين احمد الراشدى القاسمى،مكتبه اتحاد ديوبند.
ألـوجيــز فــى أصـول الـفـقــه الاسـلامــى،الـدكـتـورمحمد مصطفـى الزحيلى،وزارة الأوقاف والشؤون الاسلاميه.
ألـوجيــز فــى أصـول الـفـقــه،الـدكـتـور عبد الكـريم زيدان،مؤسسة قرطبه،الطبعة السادسه.
بـلوغ الأمانى فى سيرة الامام محمد بن الحسن الشيبانى،الشيخ زاهد بى حسين الكوثرى،المكتبة الازهريه،خلف الجامع الازهر مصر.
تـكـويـن الـمذهب الحنفى مع تأملات فى ضوابط المفتى به،الدكتور

سائد بكداش،دار البشائر الاسلاميه.

تعظيم الفتيا،جمال الدين ابوالفرج عبدالرحمن/ابن الجوزى،تحقيق:ابوعبيده مشهور بن حسن،الدار الاثريه عمان،الاردن.

رد المحتار على الدر المختار،محمد أمين بن عمر ابن عابدين الشامى،تحقيق:عادل احمد،على محمد معوض،مكتبه زكريا ديوبند.

شرح عقود رسم المفتى،محمد أمين بن عمر ابن عابدين الشامى،تحقيق:عبد الباسط فياض القاسمى،مكتبه اتحاد ديوبند.

ضوابط الفتوى فى الشريعة الاسلاميه،محسن صالح ملا نبى صالح الدوسكى،مكتبه نزار مصطفى البان المملكة العربيه السعوديه.

عمدة الرعايه على شرح الوقايه، عبدالحى اللكنووى، تحقيق:الدكتور صلاح ابو الهاج،دار الكتب العلميه بيروت لبنان.

منهج الافتاء عند الامام ابن قيم الجوزيه،الدكتوراسامه عمر سليمان الاشقر،دار النفائس للنشر والتوزيع الاردن.

نشر العرف فى بناء بعض الاحكام على العرف،محمد أمين بن عمر ابن عابدين،تحقيق:صلاح محمد ابو الحاج،مركز انوار العلماء للدراسات.

اہم اردو مصادر و مراجع

مذکورہ بالا عربی کتابوں کے علاوہ درج ذیل اردو کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے

آداب افتاء واستفتاء، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنو
آداب فتوی نویسی، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مکتبہ فیصل دیوبند
البلاغ مفتی اعظم نمبر، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، دارالعلوم کراچی پاکستان
اصولی مباحث، مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
افتاء احکام وآداب، مولانا شہاب الدین سبیلی، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد
جدید فقہی مباحث / مقالات اسعدی، مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی، دارالعلم دیوبند
عرف وعادت، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
فتوی نویسی کے رہنما اصول، فقیہ النفس مفتی سلمان منصور پوری، مکتبہ نعیمیہ دیوبند
فتوی تعارف اصول وآداب (شرح اصول الافتاء وآدابہ) مولانا محمد منصور احمد پاکستان
فقہ اسلامی تدوین وتعارف، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مکتبہ نعیمیہ دیوبند
فقہ اسلامی اصول خدمات اور تقاضے (مجموعہ مقالات) دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد
فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، مفتی شاد محمد شاد، ادارۃ الصدیق ڈابھیل گجرات
قاموس الفقہ، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مکتبہ نعیمیہ دیوبند
کتب فقہ اصول فقہ اور اردو فتاوی کا تعارف، مولانا محمد نعمان صاحب پاکستان
محاضرات اصول فقہ، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مکتبہ نعیمیہ دیوبند
مقدمہ کتاب الفتاوی، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مکتبہ نعیمیہ دیوبند
مقدمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند، مفتی ظفیر الدین مفتاحی، مکتبہ دارالعلوم دیوبند

ماخوذ از تقاریظِ اکابر

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

اسی ضرورت کی طرف توجہ کرتے ہوئے عزیز گرامی مولانا رضوان نسیم قاسمی سلمہ اللہ تعالی نے مختصر مفید رسالہ مرتب کیا ہے، راقم الحروف نے پٹنہ کے سفر میں اس رسالہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور مفید پایا، اللہ نے ان کو صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور صالحیت سے بھی نوازا ہے۔

متکلم اسلام مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

کتاب کے شائقین کے لیے یہ بات باعث مسرت ہے کہ جناب مولانا مفتی رضوان نسیم قاسمی نے کتاب کے تمام مباحث کو آسان، منقح اور مدلل انداز میں سمیٹ دیا ہے جو ایک بہترین، جامع اور مفید خدمت ہے۔

فقیہ النفس مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری

اب مزید مسرت کی بات ہے کہ مفتی رضوان نسیم قاسمی نے ایک منفرد انداز میں کتاب کی تلخیص فرمائی ہے، تمام مباحث کو بہت آسان طریقہ پر سمیٹ دیا ہے اور ساتھ میں مشاہیر فقہاء احناف کا مختصر تعارف بھی شامل کردیا ہے جس سے بالخصوص طلبۂ افتا کو کتاب سے استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہوگی۔

فقیہ النفس مفتی محمد جنید عالم صاحب ندوی قاسمی

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مفتی رضوان نسیم قاسمی کی ''نسیم المفتی'' ہے جسے ہندستان کے سرخیل علماء کرام نے پسند کیا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ موصوف کی یہ کتاب شرح عقود رسم المفتی کی طرح قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور طلبۂ افتا و اساتذہ کے لیے رسم المفتی کے مباحث کو حل کرنے میں بہترین معاون ثابت ہوگی۔